فسادات
کا مسئلہ

مولانا وحیدالدّین خاں

فسادات کا مسئلہ

مولانا وحید الدین خاں

Fasadat Ka Masla

By Maulana Wahiduddin Khan

First Published 1990

Reprinted 2025

This book is copyright free and royalty free. It can be translated, reprinted, stored or used on any digital platform without prior permission from the author or the publisher. It can be used for commercial or non-profit purposes. However, kindly inform us about your publication and send us a sample copy of the printed material or link of the digital work.

e-mail: info@goodwordbooks.com
info@cpsglobal.org

Centre for Peace and Spirituality International
1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110013
e-mail : info@cpsglobal.org
www.cpsglobal.org

Goodword Books
A-21, Sector 4, Noida-201301
Delhi NCR, India
e-mail: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Printed in India

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

تمہید 4

بے برداشت نہ بنو 6

چھوٹے شر کو نظر انداز کرو 11

آپ مشتعل نہیں ہوئے 14

حِلف الفضول 20

جب لوگ پکار پر دوڑ پڑتے تھے 24

پتھر سے پانی 27

صبر کا طریقہ 29

قدرت کا سبق 35

فسادات کا مسئلہ اور اس کا حل 39

فسادات کا پس منظر 39

فساد کیسے ہوتا ہے 44

قرآن و حدیث کی روشنی میں 46

سابق اہل کتاب کی مثال 50

کرنے کا کام 53

سنجیدہ ہونا ضروری ہے 57

یہ اسلام نہیں 58

تمہید

کسی کے گھر میں آگ لگ جائے تو وہ اس کو بجھانے کے لیے فوراً حرکت میں آجاتا ہے۔ تاہم ایسے موقع پر حرکت میں آنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ اس دنیا کے مالک نے آگ بجھانے کا جو اصول مقرر کیا ہے اس کے مطابق آگ بجھانے کی کوشش کی جائے۔ دوسرے یہ کہ جوش میں آکر کوئی خود ساختہ حرکت شروع کردی جائے۔ انسان آزاد ہے کہ دونوں میں سے جو عمل چاہے اختیار کرے۔ مگر یہ یقینی ہے کہ دونوں کا انجام اس دنیا میں یکساں نہیں ہوسکتا۔ اللہ نے جس آگ کو بجھانے کے لیے پانی چھڑکنے کا قانون مقرر کیا ہے اس کو آپ پٹرول چھڑک کر نہیں بجھا سکتے۔ ایسی ہر کوشش صرف اپنی مصیبت میں اضافہ کے ہم معنی ہوگی۔

یہی معاملہ زندگی کے دوسرے مسائل کا بھی ہے، خدا نے اپنی دنیا میں کامیابی کا راز اگر صبر میں رکھا ہے تو آپ اس کو جلد بازی کے ذریعہ حاصل نہیں کرسکتے۔ خدا نے اگر ایک واقعی نتیجہ کو عملی جدو جہد سے وابستہ کردیا ہے تو آپ تقریروں اور بیانات کی دھوم مچا کر اس نتیجہ کو اپنے لیے برآمد نہیں کرسکتے۔ خدا نے اس دنیا کے مسائل کا حل اگر حقیقت پسندانہ طریق عمل میں رکھا ہے تو آپ جذباتیت کے طریقہ پر چل کر اپنے مدعا کو نہیں پاسکتے۔ خدا نے اگر افراد کی خاموش تعمیر میں اصلاح کا راز رکھا ہے تو آپ اجتماعی شور دغل کے ذریعہ اصلاح کے مقصد تک نہیں پہنچ سکتے۔ خدا اگر یہ چاہتا ہے کہ آدمی اپنی غلطی کا اعتراف کرکے اپنا کام بنائے تو آپ دوسروں کو ملزم ثابت کرکے اپنا کام نہیں بنا سکتے۔ خدا نے اپنے قائم کیے ہوئے نظام میں اگر یہ اصول مقرر کیا ہو کہ جو لوگ پھول کے مالک بننا چاہتے ہیں، وہ کانٹوں سے

اپنا دامن بچا کر پھول کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ تو آپ ایسا نہیں کر سکتے کہ ایک ایک کانٹے سے الجھیں اور اس کے باوجود تروتازہ پھول آپ کے حصہ میں آجائے۔

زندگی کی سب سے زیادہ تلخ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی بنائی ہوئی دنیا میں نہیں ہیں بلکہ خدا کی بنائی ہوئی دنیا میں ہیں۔ ہم دنیا میں قائم ہوئے خدائی نظام سے موافقت کر کے تو سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں مگر اس کے مقررہ نظام سے ہٹ کر کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ اس لیے یہاں ہر انسان کو آزادی حاصل ہے۔ مگر یہ آزادی صرف عمل کی آزادی ہے، نہ کہ نتیجہ برپا کرنے کی۔ ہم بلاشبہ آزاد ہیں کہ جو چاہیں کریں مگر ہم کو یہ قدرت نہیں دی گئی ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق جو نتیجہ چاہیں ظاہر کر دیں۔ ہم آزاد ہیں کہ دریا میں چھلانگ لگائیں یا نہ لگائیں۔ لیکن اگر ہم کو تیرنا نہیں آتا اور ہم گہرے دریا میں چھلانگ لگا دیتے ہیں تو ہم کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ اپنے کو ڈوبنے سے بچائیں۔ یاد رکھیے یہ دنیا کسی عذر کو قبول کرنے کے لیے سب سے زیادہ بے رحم واقع ہوئی ہے، خواہ ہم نے اپنے عذر کو کتنے ہی شاندار الفاظ میں مرتب کر رکھا ہو۔

وحیدالدین 17 اکتوبر 1980

بے برداشت نہ بنو

قرآن کی سورہ نمبر 30 کی آخری آیت میں ارشاد ہوا ہے: پس تم صبر کرو، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور تم کو بے برداشت نہ کر دیں وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے: فَاصۡبِرۡ إِنَّ وَعۡدَ ٱللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسۡتَخِفَّنَّكَ ٱلَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ (30:60)۔

زمین سے ایک پھل دار درخت کا پودا اگتا ہے۔ قانون قدرت کے مطابق اس میں دسویں سال پھل لگنے والا ہے۔ اب اگر کچھ لوگ جلد بازی کریں اور پودا نکلنے کے چند ماہ بعد ہی اس کا پھل لینا چاہیں تو وہ اپنی جلد باز کارروائیوں سے درخت کو برباد کر دیں گے اور اس کا قدرتی امکان بر روئے کار آنے سے رہ جائے گا۔ ایسا ہی کچھ معاملہ سماجی زندگی میں ظاہر ہونے والے واقعات کا بھی ہے۔ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اہل حق کو عزت اور غلبہ دے گا۔ مگر درخت کی طرح اس غلبہ کے ظہور کا بھی ایک قانون ہے۔ اگر اس قانون کی رعایت نہ کی جائے اور وقت سے پہلے اس کو پانے کی خواہش کی جائے تو یہ ایسی نادانی ہوگی جس سے غلبہ تو نہیں ملے گا البتہ اس کے امکانات برباد ہو کر رہ جائیں گے۔

خدا کی طرف سے جو غلبہ کا وعدہ ہے وہ اس بنیاد پر ہے کہ اہل حق اپنے حصہ کا کام کر دیں۔ وہ اپنے آپ کو خدا کے دین پر قائم کریں، وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں۔ وہ ممکن دائروں میں اپنے آپ کو مستحکم بنائیں۔ اسی کے ساتھ وہ فریق ثانی کو حق کی دعوت دیں۔ وہ دعوت کے تمام حکیمانہ تقاضوں کا اہتمام کرتے ہوئے اس کو اتمام حجت کے مرحلہ تک پہنچائیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو خدا کے یہاں کسی گروہ کا یہ استحقاق ثابت کرتی ہیں کہ وہ ان کو غالب کرے اور ان کے مقابلہ میں ان کے حریف کو مغلوب کر دے۔

جب اہل حق کے درمیان یہ تمام کام جاری ہوتے ہیں تو فریق ثانی کی طرف سے بار بار اشتعال انگیزیاں کی جاتی ہیں۔ ذہنی اور عملی پہلوؤں سے ایسی باتیں پیش آتی ہیں جو اہل حق کو بھڑکا دینے والی ہوں۔ یہ بڑا نازک وقت ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اگر اہل حق کی شانتی بھنگ ہو جائے اور وہ فریق ثانی کے چھیڑے ہوئے فتنوں میں اپنے آپ کو الجھا دیں تو اصل کام رک جاتا ہے اور دونوں فریقوں کے درمیان دوسرے غیر متعلق امور پر لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی لڑائی کا آخری فیصلہ ہمیشہ اہل حق کے خلاف ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا غلبہ خدا کی مدد سے ہوتا اور انھوں نے اصل کام کو نامکمل حالت میں چھوڑ کر غلبہ کا استحقاق کھو دیا۔ انھوں نے بے برداشت ہو کر خدا کی نافرمانی کی اور خدا کی نافرمانی کرنے والوں کو کبھی خدا کی نصرت نہیں پہنچتی۔

بے برداشت ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں ۔ مثلاً اعلیٰ مقصد کی خاطر چھوٹے نقصانات کو برداشت نہ کرنا اور ان کے لیے لڑ جانا۔ جذباتی ٹھیس پہنچنے والے معاملات کو نظر انداز نہ کرنا اور اپنے کو ان میں الجھا لینا۔ سماجی اور معاشی مسائل میں خود تعمیری کے اصول پر عمل نہ کرنا اور مطالبہ اور احتجاج کی سیاست میں اپنے کو مشغول کر لینا۔ اپنے افراد میں کردار کی طاقت پیدا کرنے سے پہلے بڑے بڑے اقدامات کرنے لگنا۔ اجتماعی زندگی میں پیش آنے والی فطری زیادتیوں کو غیر ضروری اہمیت دنیا اور ان کی خاطر تصادم چھیڑ دینا۔ دوسروں سے غیر حقیقی توقعات قائم کرنا اور جب وہ توقعات پوری نہ ہوں تو جھنجھلا کر ان سے مڈبھیڑ شروع کر دینا۔ انسانی کمزوریوں کی رعایت نہ کرنا اور کسی کے اندر ایک بشری کمزوری پا کر اس کو اچھالنا اور اس کی بنیاد پر ہنگامہ آرائی کرنا۔ سیاسی حکمرانوں سے مفاہمت نہ کرنا اور قبل از وقت ان سے ٹکرا جانا، وغیرہ۔

”بے برداشت نہ ہوجاؤ“ کا اصول حد درجہ حکمت پر مبنی ہے۔ اس کی خلاف ورزی کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ نہ ملے ہوئے مواقع کی حرص میں ملے ہوئے مواقع بھی برباد ہو جاتے ہیں۔ ایک حکمراں جو غیر سیاسی دائرہ میں کام کرنے کا موقع دے رہا ہے، اس کو سیاسی اقتدار سے بے دخل کرنے کی مہم چلائی جانے لگے تو وہ غیر ضروری طور پر اہل حق کو اپنا حریف سمجھ لیتا ہے اور حکومتی قوت سے کام لے کر انھیں کچل ڈالتا ہے۔ فریق ثانی اگر زورآور حیثیت رکھتا ہے اور اس کے افراد سے بعض زیادتیاں سرزد ہوتی ہیں اور ان کو برداشت نہیں کیا جاتا تو اس کے بعد عمومی سطح پر ایسے فسادات برپا ہوتے ہیں کہ پوری زندگی تہس نہس ہو جاتی ہے اور کسی بھی قسم کا کوئی تعمیری کام کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ جب بھی آدمی کوئی کام شروع کرتا ہے تو فطری طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں مختلف لوگوں کی طرف سے شکایت اور نقصانات سامنے آتے ہیں۔ آدمی اگر ہر شکایت اور ہر نقصان کو اہمیت دے اور اس کی بنیاد پر لوگوں سے لڑنا شروع کر دے تو اصل کام رک جائے گا اور بس لڑائی جھگڑے باقی رہیں گے۔

دوسرے یہ کہ بالفرض ان تمام نادانیوں کے باوجود اہل حق کو غلبہ دے دیا جائے تو عدم تیاری کی بنا پر وہ اس کو سنبھال نہ سکیں گے۔ اگر کسی گروہ میں اتحاد نہ ہو تو غلبہ پانے کے بعد وہ آپس میں لڑنا شروع کر دیں گے، جو ٹکراؤ پہلے حق پرستوں اور باطل پرستوں کے درمیان جاری تھا وہ خود حق پرستوں کے اپنے درمیان ہونے لگے گا۔ اگر ان کے افراد میں کردار پیدا نہ ہوا ہو اور انھیں اقتدار پر قبضہ مل جائے تو وہ اصلاح کے بجائے صرف فساد کا سبب بنیں گے اور نتیجہ حق کے بارے میں ایسی بدگمانیاں پیدا ہوں گی کہ لوگ اس کو ایک قابل نفرت چیز سمجھنے لگیں۔ اگر انھوں نے اپنے اندر یہ مزاج پختہ نہیں کیا ہے کہ ان کے نزدیک ساری اہمیت

حق کی ہے باقی تمام چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں تو وہ غلبہ پا کر غیر ضروری سرگرمیوں میں مشغول ہوجائیں گے اور سماج کو نئے نئے مسائل میں الجھا کر رکھ دیں گے۔ اگر انھوں نے اپنے آپ کو انتقام کی نفسیات سے بلند نہیں کیا ہے تو اقتدار پانے کے بعد وہ اپنے سابق دشمنوں کو ہلاک کرنا شروع کردیں گے۔ حتیٰ کہ فوج اور انتظامیہ کے اعلی تربیت یافتہ افراد کو ختم کرکے ملک کو اتنا کمزور کردیں گے کہ ملک کو سنبھالنا ہی ناممکن ہوجائے۔ اگر انھوں نے اپنے اندر برداشت کی قوت پیدا نہیں کی ہے تو وہ ہر اس شخص یا گروہ سے لڑائی چھیڑ دیں گے جس سے ان کے نفس کو چوٹ لگے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کے غلبہ کے باوجود اسلام کا اصل کام (بندگان خدا کو خدا سے جوڑنا) بدستور اَن ہوا پڑا رہ جائے گا۔ جو شخص جذبات سے بے قابو ہوجائے وہ ایک خرابی کو مٹانے کے نام پر ایسا اقدام کرے گا جس سے کئی شدید تر خرابیاں پیدا ہوجائیں۔

جب بھی کسی کی طرف سے ناپسندیدہ بات سامنے آتی ہے تو آدمی صرف ایک بات سوچتا ہے: یہ مخالف ہے، اس کو کچل ڈالو۔ مگر یہ انسان کا بہت ناقص اندازہ ہے۔ خدا نے انسانی نفسیات میں بے حد لچک رکھی ہے۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ انسان ایک حالت پر قائم نہیں رہتا بلکہ بدلتا رہتا ہے۔ اور برداشت کا مطلب اسی انسانی امکان کا انتظار کرنا ہے۔ شریعت میں صابرانہ طریق کار کی تلقین اسی لیے کی گئی ہے کہ اس آنے والے وقت کو آنے کا موقع دیا جائے جب کہ ''آج'' کے انسان کے اندر چھپا ہوا کل کا انسان برآمد ہوجائے۔

بہت تھوڑے لوگ ہوتے ہیں جو فی الواقع سوچ سمجھ کر کسی چیز کے مخالف بنتے ہیں۔ بیشتر لوگوں کی مخالفت محض اضافی اسباب کی بنا پر ہوتی ہے کبھی ایک آدمی محض غلط فہمی کی بنا پر

کسی چیز کا مخالف بن جاتا ہے کبھی وقتی تقاضے کسی شخص کو آپ کے بالمقابل محاذ میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ کبھی حیثیت اور منصب کے مصنوعی مسائل آدمی پر اتنا غالب آتے ہیں کہ وہ کسی بات کے اعتراف سے رک جاتا ہے۔ کبھی کسی کے اختلاف کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ معاملہ کو ایک رخ سے دیکھ رہا ہے اور آپ اس کو دوسرے رخ سے دیکھ رہے ہیں۔ اس قسم کے اختلافات حقیقی اختلافات نہیں ہوتے۔ وہ محض حالات کے تابع ہوتے ہیں اور حالات کے بدلنے کے ساتھ ہمیشہ بدل جاتے ہیں۔

تاہم کچھ مخالفین ایسے ہوتے ہیں جو اپنی مخالفت میں جارحیت کی حد تک جاتے ہیں۔ وہ سازش کرتے ہیں، وہ تخریب کی کارروائیاں کرتے ہیں۔ اور امتحان کی اس دنیا میں بہر حال ان کو بھی اسی طرح عمل کی آزادی حاصل ہے جس طرح کسی دوسرے کو حاصل ہے۔ ایسے لوگوں سے مقابلہ کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ جھنجھلاہٹ کے بجائے صبر اور حکمت کے ساتھ اپنا راستہ نکالا جائے۔ کسی گروہ کی بے صبری اور غیر دانش مندی اس کے دشمن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ سب سے زیادہ نادان وہ ہے جو خود اپنی طرف سے دشمن کو یہ ہتھیار فراہم کردے۔

چھوٹے شر کو نظرانداز کرو

عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْخَطْمِيِّ، أَنَّ جَدَّهُ عُمَيْرَ بْنَ حَبِيبِ بْنِ خُمَاشَةَ، وَكَانَ قَدْ أَدْرَكَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عِنْدَ احْتِلَامِهِ، أَوْصَى وَلَدَهُ، فَقَالَ: يَا بَنِيَّ، إِيَّاكُمْ وَمُجَالَسَةَ السُّفَهَاءِ، فَإِنَّ مُجَالَسَتَهُمْ دَاءٌ، مَنْ يَحْلُمُ عَنِ السَّفِيهِ يُسَرُّ، وَمَنْ يُجِبْهُ يَنْدَمُ، وَمَنْ لَا يَرْضَى بِالْقَلِيلِ مِمَّا يَأْتِي بِهِ السَّفِيهُ يَرْضَى بِالْكَثِيرِ، وَإِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْمُرَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ يَنْهَى عَنْ مُنْكَرٍ فَلْيُوَطِّنْ نَفْسَهُ عَلَى الصَّبْرِ عَلَى الْأَذَى، وَلْيَثِقْ بِالثَّوَابِ مِنَ اللَّهِ عز وجل، فَإِنَّهُ مَنْ وَثَقَ بِالثَّوَابِ مِنَ اللَّهِ لَمْ يَضُرُّهُ مَسُّ الْأَذَى (المعجم الاوسط للطبرانی، اثر نمبر 2258)۔ یعنی، حضرت عمر بن حبیب بن خماشہ جنھوں نے اپنی بلوغت کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا تھا، اپنے لڑکے کو وصیت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اے میرے بیٹے، نادانوں کی صحبت سے بچو کیونکہ ان کی صحبت میں بیٹھنا بیماری ہے۔ اس کو خوشی ملی جس نے نادان آدمی سے درگزر کیا۔ اور وہ شخص پچھتایا جس نے اس سے دوستی کی۔ اور جو شخص نادان کے چھوٹے شر پر راضی نہ ہو، اس کو نادان کے بڑے شر پر راضی ہونا پڑے گا اور جب تم میں سے کوئی شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنا چاہے تو اپنے آپ کو تکلیف برداشت کرنے کے لیے تیار کرلے اور اللہ سے ثواب ملنے پر بھروسہ کرے کیونکہ جو شخص اللہ سے ثواب ملنے پر بھروسہ کرے گا اس کو تکلیف کا پہنچنا نقصان نہ دے گا۔

ایک نادان شخص اگر کسی کی طرف کنکری پھینکے تو اس کا فوری تاثر یہ ہوتا ہے کہ اس کا

بھر پو پر جواب دیا جائے۔ حالانکہ نادان کی کنکری کا زیادہ بہتر جواب اس کو برداشت کرلینا ہے۔ ''کنکر'' کو برداشت کر کے آپ معاملہ کو ''پتھر'' تک پہنچنے سے روک دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی نادان کے شر کو برداشت نہ کرنا ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ بالاخر اس سے زیادہ بڑے شر کو برداشت کرنے پر اپنے کو راضی کیا جائے۔

ایک فرقہ کا پہلوان دوسرے فرقہ کے زیر انتظام اکھاڑے میں اس فرقہ کے پہلوان سے کشتی لڑتا ہے۔ کشتی کے خاتمہ پر پہلے فرقہ کے پہلوان کو شکایت ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ دھاندلی کی گئی ہے۔ ایسی حالت میں زیادہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ اس دھاندلی کو برداشت کرلے اور اگلے سال اتنی زیادہ تیاری کے ساتھ مقابلہ کے میدان میں اترے کہ وہ دھاندلی کی حد کو پار کر چکا ہو۔ اس کے برعکس، اگر اس نے دھاندلی کو برداشت نہ کیا اور دھاندلی کا بدلہ لینے کے لیے دوسرے فرقہ کے پہلوان کو قتل کرنے کی کوشش کی تو اس کے نتیجہ میں ایسا فساد رونما ہوگا جو اس فرقہ کی پوری بستی کو ویران کردے گا۔ اکھاڑے کی دھاندلی نہ برداشت کرنے کی قیمت معاشی بربادی، سماجی ذلت اور جانوں کی ہلاکت کی صورت میں دینی پڑے گی۔ اسی طرح مثلاً ایک فرقہ کے لوگ اپنی عبادت گاہ میں سالانہ عبادت ادا کر رہے ہیں۔ اس موقع پر دوسرے فرقہ کا گندا جانور چھوٹ کر عبادت گزاروں کی صف میں داخل ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک تکلیف دہ بات ہے لیکن اگر اس تکلیف کو برداشت کرلیا جائے تو صرف ایک وقتی اور معمولی واقعہ پر اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر اس کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش کی جائے تو اس کے بعد ایسا فساد برپا ہوگا جو کتنی ہی بستیوں کو خاکستر بنادے گا اور اتنے زیادہ نقصانات سامنے آئیں گے جن کی تلافی برسہا برس تک بھی نہ ہو سکے۔ ایک عبادت گاہ ہے۔ اس کے پاس سے دوسرے فرقہ کے لوگ باجا بجاتے ہوئے گزرے اور اس سے عبادت کرنے والوں کو تکلیف پہنچی۔ اگر اس کو برداشت کرلیا جائے تو وقتی تکلیف کے بعد صورت حال معمول پر آجائے گی۔ لیکن اگر عبادت

کرنے والے اس پر بگڑ جائیں اور جلوس پر پابندی لگانے کی کوشش کریں تو اس کے جواب میں ضد اور عناد ابھرے گا جو بالآخر لڑائی اور فساد کی صورت اختیار کرلے گا۔ جن لوگوں نے چند منٹ کے باجے کا سننا برداشت نہیں کیا تھا انھیں آگ اور خون کا منظر دیکھنے کو برداشت کرنا پڑے گا۔

آدمی بہت جلد اس کے لیے تیار ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کو بھلائی کا حکم دے اور اس کو برائی سے روکے۔ کیوں کہ دوسروں کے ساتھ ایسا کرنے میں اس کی انا کے لیے تسکین ہے۔ اس سے نفس کو یہ لذت ملتی ہے کہ میں حق پر ہوں اور دوسرا میرے مقابلہ میں ناحق پر ہے۔ مگر بھلائی کا وعظ کہنا اور برائی سے روکنا صرف اس شخص کے لیے جائز ہے۔ جو اس کے تقاضے کو اپنانے کے لیے تیار ہو۔ اور اس کا تقاضا تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔ جب بھی ایک آدمی دوسرے کو ٹوکے گا اور اس کے اوپر تنقید کرے گا تو لازماً ایسا ہو گا کہ وہ شخص برہم ہو گا۔ ایسے موقع پر ٹوکنے والے کو برف کی طرح نرم ہو جانا چاہیے۔ اگر وہ خود بھی اس کے جواب میں برہم ہو جائے تو وہ برائی سے ٹوکنے والا نہیں ہے بلکہ وہ ایک برائی کو دو برائی کرنے کا مجرم ہے جو خدا کے یہاں کسی حال میں قابل معافی نہیں۔

وعظ و نصیحت کے جواب میں پیش آنے والی تکلیفوں پر برہم ہونے سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس نے وعظ و نصیحت کا کام تمام تر اللہ کی خاطر شروع کیا ہو۔ جس اللہ سے وہ دوسرے کو ڈرا رہا ہے جب وہ خود اس سے ڈرنے والا بن چکا ہے تو وہ ایسا کام کیوں کر کرسکتا ہے جو صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ سے بے خوف ہو چکے ہوں۔ جو شخص انسانوں کی طرف سے آنے والی تکلیفوں پر بگڑتا ہے وہ اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ اپنے عمل کا بدلہ انسانوں سے چاہتا تھا اور جب انسانوں کی طرف سے بدلہ نہیں ملا تو وہ بگڑ گیا۔ مگر جو آدمی اپنے عمل کا بدلہ اللہ سے لینے کا امیدوار ہو وہ اس کی بالکل پروا نہیں کرسکتا کہ لوگ اس کے کام کی تعریف کر رہے ہیں یا تنقید۔

آپ مشتعل نہیں ہوئے

6ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کررہے ہیں۔ صحابہ کو آپ نے یہ خواب بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے کہ چھ سال کے بعد اب مکہ جانے اور حرم کی زیارت کرنے کا موقع ملے گا۔ اس خواب کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ چودہ سو اصحاب بھی آپ کے ساتھ ہو گئے۔ غدیر اشطاط کے مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش آپ کے سفر کی خبر پا کر سرگرم ہو گئے ہیں۔ انھوں نے ایک لشکر جمع کیا ہے اور عہد کیا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

کعبہ کی زیارت سے کسی کو روکنا عرب روایات کے بالکل خلاف تھا۔ مزید یہ کہ آپ اشارۂ خداوندی کے تحت یہ سفر کررہے تھے۔ مگر اس کے باوجود آپ اس خبر کو سن کر مشتعل نہیں ہوئے۔ آپ کے جاسوس نے بتایا کہ خالد بن ولید دوسو سواروں کو لے کر مقام غمیم تک پہنچ گئے ہیں تاکہ آپ کا راستہ روکیں۔ یہ خبر سن کر آپ نے یہ کیا کہ معروف راستہ کو چھوڑ دیا اور ایک غیر معروف اور دشوار گزار راستہ سے چل کر حدیبیہ تک پہنچ گئے تاکہ خالد سے ٹکراؤ کی نوبت نہ آئے۔ اس واقعہ کو ابن ہشام نے جن الفاظ میں نقل کیا ہے وہ یہ ہیں:

قَالَ: مَنْ رَجُلٌ يَخْرجُ بِنَا عَلَى طَرِيقٍ غَيْرِ طَرِيقِهِمْ الَّتِي هُمْ بِهَا؟ قَالَ رَجُل: أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: فَسَلَكَ بِهِمْ طَرِيقًا وَعْرًا أَجْرَلَ بَيْنَ شِعَابٍ، فَلَمَّا خَرَجُوا مِنْهُ، وَقَدْ شَقَّ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَأَفْضَوْا إِلَى أَرْضٍ سَهْلَةٍ عِنْدَ مُنْقَطِعِ الْوَادِي، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِلنَّاسِ: قُولُوا نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَنَتُوبُ إِلَيْهِ. فَقَالُوا ذَلِكَ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ إِنَّهَا لَلْحِطَّةُ الَّتِي

عُرِضَتْ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ. فَلَمْ يَقُولُوهَا (سیرت ابن ہشام، جلد 2،صفحہ 310-309)۔یعنی، رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم نے کہا کون شخص ہے جو ہم کو ایسے راستہ سے لے جائے جو ان کے راستہ سے مختلف ہو۔ ایک شخص نے کہا کہ میں اے اللہ کے رسول۔ چنانچہ وہ لوگوں کو لے کر ایسے راستہ پر چلا جو سخت دشوار اور پتھریلا تھا اور پہاڑی راستوں سے گزرتا تھا۔ جب لوگ اس راستہ کو طے کر چکے اور مسلمانوں کو اس پر چلنا بہت شاق گزرا تھا اور وہ وادی کے ختم پر ایک ہموار زمین میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ کہو ہم اللہ سے مغفرت مانگتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لوگوں نے اسی طرح کہا۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم یہی حِطّہ ہے جو بنی اسرائیل کو پیش کیا گیا تھا۔ مگر انھوں نے نہیں کہا۔

حطہ کا مطلب توبہ اور بخشش ہے۔ اس صبر آزما موقع پر توبہ واستغفار کرانا ظاہر کرتا ہے کہ خدا کے بتائے ہوئے صابرانہ طریق کار کا آدمی کو اس قدر زیادہ پابند ہونا چاہیے کہ اس راہ پر چلتے ہوئے جو کمزوری یا جھنجھلاہٹ پیدا ہو اس کو بھی آدمی گناہ سمجھے اور اس کے لیے خدا سے معافی مانگے۔ اس کو خدا کے طریقہ پر راضی رہنا چاہیے، نہ کہ وہ اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر خود ساختہ طریقے نکالنے لگے۔

حدیبیہ کا مقام مکّہ سے 9 میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں آپ ٹھہر گئے تاکہ حالات کا جائزہ لے سکیں۔ حدیبیہ سے آپ نے خراش بن امیہ خزاعی کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اہل مکہ کے پاس بھیجا کہ ان کو خبر کر دیں کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، جنگ کے لیے نہیں آئے ہیں۔ جب وہ مکہ پہنچے تو اہل مکہ نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور خود حضرت خراش کو بھی قتل کرنے کے لیے دوڑے۔ مگر وہ کسی طرح بچ کر واپس آ گئے۔ پھر

آپ نے حضرت عثمان کو یہ پیغام لے کر مکّہ بھیجا کہ تم لوگ مزاحمت نہ کرو، ہم عمرہ کے مراسم ادا کر کے خاموشی سے واپس چلے جائیں گے۔ اہل مکہ نے حضرت عثمان کو بھی روک لیا۔ پھر مکرز بن حفص پچاس آدمیوں کو لے کر رات کے وقت حدیبیہ پہنچا اور مسلمانوں کے پڑاؤ پر تیر اور پتھر برسانے لگا۔ مکرز کو گرفتار کرلیا گیا۔ مگر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اس کو بلا شرط چھوڑ دیا گیا۔ اسی طرح مقام تنعیم کی طرف سے 80 آدمی صبح سویرے آئے اور عین نماز کے وقت مسلمانوں پر چھاپہ مارا۔ یہ لوگ بھی پکڑ لیے گئے۔ مگر آپ نے ان کو بھی غیر مشروط طور پر رہا کر دیا۔

اس کے بعد قریش سے طویل مذاکرات کے بعد دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہوئی۔ مگر یہ صلح ظاہر بینوں کے لیے سراسر قریش کی فتح اور مسلمانوں کی شکست کے ہم معنی تھی مسلمان یہ سمجھے ہوئے تھے کہ وہ بشارت الٰہی کے تحت عمرہ کرنے کے لیے مکہ جارہے ہیں، مگر جو صلح ہوئی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شرط پر راضی ہو گئے کہ وہ عمرہ کیے بغیر حدیبیہ سے واپس چلے جائیں۔ اگلے سال وہ عمرہ کے لیے آئیں مگر صرف تین دن مکہ میں ٹھہریں اور اس کے بعد خاموشی سے واپس چلے جائیں۔ اس طرح کی ذلت آمیز دفعات مسلمانوں کو مشتعل کرنے کے لیے بالکل کافی تھیں۔ مگر آپ نے بظاہر شکست کے باوجود تمام دفعات کو منظور کرلیا۔

قریش نے اس موقع پر آپ کے ساتھ جو کچھ کیا آپ کو اشتعال دلانے کے لیے کیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح آپ کو مشتعل کر کے آپ کی طرف سے کوئی جارحانہ اقدام کرا دیں تاکہ قریش کے لیے آپ سے لڑنے کا جواز نکل آئے۔ حرم کی زیارت سے روکنا یوں بھی عرب روایات کے خلاف تھا۔ مزید یہ کہ یہ ذوقعدہ کا مہینہ تھا جو عربوں میں حرام مہینہ شمار ہوتا

تھا۔ اس میں جنگ ناجائز سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے اہل مکہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے اوپر جارحیت کی ذمہ داری ڈال کر ان سے جنگ کی جائے۔ مسلمان اس وقت کم تعداد میں تھے۔ ان کے پاس سامان جنگ نہیں تھا۔ وہ مرکز مدینہ سے ڈھائی سو میل دور اور دشمن کے مرکز (مکہ) کی عین سرحد پر تھے۔ قریش کے لیے بہترین موقع تھا کہ آپ کے اوپر بھر پور وار کر کے آپ کے خلاف اپنے دشمنانہ حوصلوں کو پورا کرسکیں۔ اسی لیے انھوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح آپ مشتعل ہو کر لڑ پڑیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شرارت کو نظر انداز کرتے رہے اور کسی طرح اشتعال کی نوبت نہ آنے دی۔

یہ معاملہ اتنا سنگین تھا کہ حضرت ابوبکر کے سوا صحابہ کرام میں سے کوئی شخص نہ تھا جو یہ محسوس نہ کررہا ہو کہ ہم ظالم کے آگے جھک گئے ہیں اور اپنے کو توہین آمیز شرائط پر راضی کرلیا ہے۔ قرآن میں جب اس معاہدہ کے بارے میں آیت اتری کہ یہ فتح مبین ہے تو صحابہ نے کہا: کیا یہ فتح ہے۔ ایک مسلمان نے کہا: کیسی فتح ہے کہ ہم بیت اللہ جانے سے روک دیے گئے۔ ہماری قربانی کے اونٹ آگے نہ جاسکے۔ خدا کے رسولؐ کو حدیبیہ سے واپس آنا پڑا۔ ہمارے مظلوم بھائی (ابوجندل اور ابوبصیر) کو اس صلح کے تحت ظالموں کے حوالے کردیا گیا، وغیرہ۔ مگر اسی ذلت آمیز صلح کے ذریعہ خدا نے فتح عظیم کا دروازہ کھول دیا۔

یہ معاہدہ بظاہر دشمن کے آگے جھک جانا تھا۔ مگر حقیقۃً وہ اپنے کو مضبوط اور مستحکم بنانے کا وقفہ حاصل کرنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے تمام مطالبات منظور کر کے ان سے صرف ایک یقین دہانی لے لی۔ یہ کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔ اب تک یہ تھا کہ مسلسل حالت جنگ کی وجہ سے تبلیغ و تعمیر کا کام رکا ہوا تھا۔ آپ نے حدیبیہ سے لوٹ کر فوراً دعوت و تبلیغ کا کام عرب اور اطراف عرب میں تیزی سے

شروع کردیا۔ ابتدائی زمین پہلے تیار ہو چکی تھی۔ پرامن حالات نے جو موقع دیا اس میں دعوت کا کام تیزی سے پھیلنے لگا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسلام قبول کرنے لگے۔ عرب قبائل ایک کے بعد ایک اسلام میں داخل ہونے لگے۔ عرب کے باہر ملکوں میں اسلام کی دعوت پھیلائی جانے لگی۔ مشرکین مکہ کی طرف سے مامون ہو کر آپ نے خیبر کے یہودیوں کے خلاف کاروائی کی اوران کا خاتمہ کردیا۔ دعوتی سرگرمیوں کے ساتھ داخلی استحکام اور تیاری کا کام بہت بڑے پیمانہ پر ہونے لگا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح کے صرف دو سال بعد اسلام اتنا طاقت ور ہو گیا کہ قریش نے لڑے بھڑے بغیر ہتھیار ڈال دیے۔ جس مکہ سے توہین آمیز واپسی پر اپنے کو راضی کرلیا گیا تھا اسی مکہ میں اس واپسی سے فاتحانہ داخلہ کا راستہ نکل آیا۔

آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ حریف کی طرف سے کوئی ناخوش گوار بات پیش آئے تو فوراً بپھر اٹھتے ہیں اور اس سے لڑ جاتے ہیں۔ اور جب بے فائدہ لڑائی کے نقصانات بتائے جائیں تو کہتے ہیں کہ ہم خود سے نہیں لڑے۔ ہمارے خلاف سازش کر کے ہم کو جنگ میں الجھایا گیا۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ نہ لڑنا حقیقتاً اس کا نام ہے کہ کوئی لڑنے نہ آئے تو آپ نہ لڑیں۔ نہ لڑنا یہ ہے کہ لوگ لڑنے آئیں پھر بھی آپ ان سے نہ لڑیں۔ لوگ آپ کو اشتعال دلائیں مگر آپ مشتعل نہ ہوں۔ لوگ آپ کے خلاف سازشیں کریں مگر اپنی خاموش تدبیروں سے آپ ان کی سازش کو ناکام بنا دیں۔ لوگ آپ کے خلاف اپنے دلوں میں دشمنی لیے ہوئے ہوں تب بھی آپ ان کی دشمنی کو عمل میں آنے نہ دیں۔

زندگی کا اصل راز حریف سے لڑنا نہیں ہے۔ زندگی کا راز یہ ہے کہ لڑائی سے بچ کر اپنے آپ کو اتنا طاقت ور بنایا جائے کہ لڑائی کے بغیر محض دبدبہ سے حریف ہتھیار ڈال دے۔ جو لوگ مشتعل ہو کر لڑنا جانیں اور خاموش ہو کر تیاری کرنا نہ جانیں ان کے لیے یہاں

صرف بربادی کا انجام ہے۔ ناممکن ہے کہ خدا کی دنیا میں وہ کامیاب ہوسکیں۔ کیسی عجیب بات ہے، جو کامیابی پیغمبرؐ نے نہ ٹکرانے کی پالیسی اختیار کرکے حاصل کی اس کو ہم ٹکرانے کا طریقہ اختیار کرکے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پھر بھی ہمارا یقین ہے کہ ہم رسول خداؐ کے امتی ہیں اور آپ ضرور خدا کے یہاں ہماری شفاعت فرمائیں گے۔

حِلف الفضول

زمانہ جاہلیت میں عرب کے کچھ لوگوں نے ایک باہمی معاہدہ کیا تھا جس کو حلف الفضول کہا جاتا ہے۔ اس معاہدہ کا مقصد لوٹ کھسوٹ اور ظلم کو روکنا تھا۔ اس معاہدہ میں شریک ہونے والوں کے نام تھے فضل بن فضالہ فضل بن وداعہ اور فضیل بن حارث۔ چنانچہ انھیں کے نام پر اس معاہدہ کا نام حلف الفضول (فضل والوں کا معاہدہ) پڑ گیا۔ یہ معاہدہ ابتدائی بانیوں تک زندہ رہا۔ ان کے مرنے کے بعد صرف ان کا نام رہ گیا۔

زبیر بن عبد المطلب نے اپنے بعض اشعار میں اس معاہدہ کا ذکر اس طرح کیا ہے:

إنّ الْفُضُولَ تَحَالَفُوا، وَتَعَاقَدُوا ۔۔۔ أَلّا يُقِيمَ بِبَطْنِ مَكّةَ ظَالِمُ

أَمْرٌ عَلَيْهِ تَعَاهَدُوا، وَتَوَاثَقُوا ۔۔۔ فَالْجَارُ وَالْمُعَتّرُ فِيهِمْ سَالِمُ

فضل نامی افراد نے باہم معاہدہ کیا اور عہد باندھا کہ مکہ میں کوئی ظالم نہ رہنے پائے گا۔ انھوں نے اس بات پر باہم عہد باندھا اور اقرار کیا۔ پس مکّہ میں پڑوسی اور ضرورت سے آنے والا سب محفوظ ہیں (روض الانف از سہیلی، جلد 2، صفحہ 47)۔

واقعہ فیل کے بعد عرب میں ایک باہمی جنگ ہوئی جس کو حرب الفجار (حرام مہینوں میں کی جانے والی جنگ) کہا جاتا ہے۔ اس جنگ کے بعد دوبارہ عرب میں بدامنی بڑھ گئی۔ اسی زمانہ میں یہ واقعہ ہوا کہ یمن کے قبیلہ زید کا ایک شخص کچھ تجارتی سامان لے کر مکہ آیا۔ قریش کے ایک سردار عاص بن وائل سہمی نے اس کا سامان خرید امگر اس کی مطلوبہ قیمت نہیں ادا کی۔ مذکورہ یمنی تاجر نے مکہ والوں سے فریاد کی۔ اس نے کچھ اشعار کہے اور ان کے ذریعہ عام لوگوں تک اپنی شکایت پہنچائی۔ اس واقعہ نے مکہ کے کچھ دردمند لوگوں کو چوکنا کر

دیا۔ زبیر بن عبد المطلب کی تحریک پر بنو ہاشم اور بنو تمیم کے لوگ عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے تاکہ صورت حال کے بارے میں مشورہ کریں۔ انھوں نے حلف الفضول کی از سرنو تجدید کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے باہمی عہد کے ذریعہ اپنے کو پابند کیا کہ وہ مظلوم کا ساتھ دیں گے اور ظالم سے اس کا حق دلا کر رہیں گے — تَعَاقَدُوا بِاللّٰہِ لیکونن مَعَ الْمَظْلُومِ حَتّٰی یُؤْدَیٰ إِلَیْہِ حَقُّہُ (طبقات ابن سعد، جلد 1، صفحہ 123)۔ اس عہد کے بعد وہ لوگ عاص بن وائل کے پاس گئے۔ اس سے مذکورہ شخص کا سامان چھینا اور اس کو اس کے مالک کے حوالے کیا۔

یہ معاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی عمر میں ہوا تھا۔ وہ اگر چہ عربوں کا ایک معاہدہ تھا مگر آپ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ اس کی بابت آپ کے یہ الفاظ سیرت کی کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں:

> لَقَدْ شَهِدْتُ فِي دَارِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُدْعَانَ حِلْفًا لَوْ دُعِيتُ بِهِ فِي الْإِسْلَامِ لَأَجَبْتُ، تَحَالَفُوا أَنْ يَرُدُّوا الْفُضُولَ عَلَى أَهْلِهَا وَأَلَّا يَعُزَّ ظَالِمٌ مَظْلُومًا (سیرت ابن کثیر، جلد 1، صفحہ 258)۔ یعنی، میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں ہونے والے معاہدہ میں شریک تھا۔ اگر اسلام کے بعد بھی مجھے اس میں بلایا جاتا تو میں ضرور اس میں شریک ہوتا۔ انھوں نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ حقدار تک اس کا حق پہنچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم کسی مظلوم پر غالب نہ آسکے گا۔

ابن ہشام نے اس ذیل میں بعض واقعات نقل کیے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حلف الفضول کا ذہنی اثر بعد کے عربوں میں بھی باقی تھا۔ ولید بن عتبہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے بھتیجے تھے۔ حضرت معاویہ نے ان کو مدینہ کا امیر بنایا تھا۔ اسی زمانہ میں ولید بن عتبہ اور حضرت حسین بن علی کے درمیان ایک جائداد کا جھگڑا ہوا جو کہ ذوالمروہ نامی گاؤں میں

تھی۔ ولید نے طاقت کے زور پر اس پر قبضہ کرنا چاہا۔ حضرت حسین نے فرمایا:

أَحْلِفُ بِاللّٰهِ لَتُنْصِفَنّي مِنْ حَقِّي، أَوْ لَآخُذَنَّ سَيْفِي، ثُمَّ لَأَقُومَنَّ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم ثُمَّ لأَدعونَّ بِحِلْفِ الفُضول (سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 124)۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم کو میرے حق کے معاملہ میں انصاف کرنا ہوگا ورنہ میں اپنی تلوار لوں گا اور مسجد نبویؐ میں کھڑا ہو جاؤں گا اور حلف الفضول کے نام پر پکاروں گا۔

عبید اللہ بن زبیر جو اس وقت وہاں موجود تھے انھوں نے بھی یہی بات کہی۔ انھوں نے کہا: میں بھی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر حسین اس کے لیے پکاریں گے تو میں اپنی تلوار لوں گا اور ان کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا یہاں تک کہ ان کا حق ان کو دیا جائے یا ہم دونوں ایک ساتھ قتل ہو جائیں۔ یہ بات مسور بن مخرمہ زہری کو پہنچی تو انھوں نے بھی اسی طرح کہا۔ اسی طرح یہ بات عبد الرحمن بن عثمان تیمی کو پہنچی تو انھوں نے بھی ایسا ہی کہا۔ جب ولید بن عتبہ کو اس کا علم ہوا تو اس نے حضرت حسین کو ان کا حق ادا کر دیا (سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 146)۔

اوپر کی تفصیلات سے معلوم ہوا کہ بدامنی اور فساد کے مسئلہ کے حل کے لیے اسلام کا مصدقہ طریقہ حلف الفضول کا طریقہ ہے۔ یعنی معاشرہ کے ذمہ دار افراد کا خدا کے سامنے عہد باندھ کر اپنے آپ کو اس کا پابند کرنا کہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہوگا کہ ایک شخص دوسرے شخص پر ظلم کر رہا ہو تو وہ فوراً دوڑ کر موقع پر پہنچیں گے۔ مظلوم کے مسئلہ کو اپنا مسئلہ بنائیں گے۔ وہ اپنی ساری قوت اور ساری کوشش صرف کر کے ظالم کو مجبور کریں گے کہ وہ اپنے ظلم سے باز آئے اور مظلوم کو اس کا حق ادا کرے۔

آج ہر بستی میں یہ صورت حال ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ستاتا ہے۔ کوئی

کسی کو ذلیل کرنے پر تلا ہوا ہے، کوئی کسی کے اوپر جھوٹا مقدمہ قائم کیے ہوئے ہے۔ کوئی کسی کا مال ہڑپ کر لینا چاہتا ہے۔ غرض جس کو ذرا بھی کوئی طاقت یا موقع ہاتھ آتا ہے تو وہ اس کوشش میں لگ جاتا ہے کہ کمزور کو دبائے اور ظالمانہ طریقہ پر دوسرے کے حقوق کو غصب کرے۔ اس قسم کے واقعات ہر بستی میں اور ہر محلہ میں ہو رہے ہیں۔ مگر تمام لوگ غیر جانب دار بنے رہتے ہیں حتیٰ کہ ذمہ دار افراد بھی ان معاملات میں کوئی دخل نہیں دیتے۔ کسی کو اگر اصلاح امت یا خدمت قوم کا شوق ہوتا ہے تو وہ جلسوں اور تقریروں کا مشغلہ شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ اصل کام مظلوموں کی عملی دادرسی ہے، نہ کہ مظلوموں کے نام پر جلسہ کرنا اور اس میں الفاظ کے دریا بہانا۔ مظلوموں کے نام پر جلسے کرنا ایسا ہی ہے، جیسے کوئی شخص زخمی ہو جائے اور آپ اس کو اسپتال لے جانے کے بجائے ایک شان دار زخمی کانفرنس منعقد کرنے کے لیے دوڑ پڑیں۔

جب لوگ پکار پر دوڑ پڑتے تھے

اسلام سے پہلے عرب میں جو شعراء پیدا ہوئے ان کو جاہلی شعراء کہا جاتا ہے۔ ایک جاہلی شاعر اس زمانہ کے ایک عرب قبیلہ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :

لَا يَسْأَلُونَ أَخَاهُمْ حِينَ يَنْدُبُهُمْ فِي النَّائِبَاتِ عَلَى مَا قَالَ بُرْهَانًا

یعنی ان کے بھائی پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے اور وہ ان کو مدد کے لیے پکارتا ہے تو وہ اس سے اس کی دلیل نہیں پوچھتے۔ بلکہ فوراً اس کی مدد کے لیے دوڑ پڑتے ہیں (عیون الأخبار، جلد 1، صفحہ 285)۔ زمانہ جاہلیت کے عرب میں اس کو شرافت کی خاص پہچان سمجھا جاتا تھا۔ اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص سے کچھ لوگوں کی دشمنی ہوگئی۔ ایک روز ان لوگوں نے اس شخص کو اکیلے میں پالیا۔ وہ لوگ دوڑے کہ اس کو مار ڈالیں۔ وہ آدمی بھاگا۔ بھاگتے ہوئے اس کو ایک بدو کا خیمہ ملا۔ وہ خیمہ میں گھس گیا اور کہا کہ مجھے بچاؤ۔ بدو عرب نے اس کو خیمہ کے اندر بٹھایا اور خود خیمہ کے دروازے پر تلوار لے کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دشمن جب وہاں پہنچے تو اس نے کہا: میں نے اس آدمی کو پناہ دی ہے، اب اگر تم اس کو پکڑنا چاہتے ہو تو پہلے تم کو میری تلوار کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ مجھ کو ختم کرنے کے بعد ہی تم اس کو پا سکتے ہو۔

عباسی خلافت کے زمانہ میں ایک شخص نے بغاوت کی۔ اس کا نام بابک خرمی تھا۔ اس نے موصل کے علاقہ میں اپنی بڑی طاقت بنا لی۔ خلیفہ معتصم باللہ (227-180ھ) نے اس کی سرکوبی کے لیے ایک بڑی فوج بھیجی۔ بابک خرمی جب مسلمانوں کے لشکر کے محاصرہ میں آکر تنگ ہوا تو اس نے یہ تدبیر کی کہ اس نے اس وقت کے رومی بادشاہ نوفل بن میکائیل (قیصر روم) کو ایک خفیہ خط بھیجا جو اپنی سلطنت کا بڑا حصہ کھو کر ترکی کے علاقہ میں مقیم تھا۔

بابک نے اس کو لکھا کہ معتصم باللہ نے اس وقت اپنی تمام فوجیں میرے مقابلہ پر روانہ کر دی ہیں۔ بغداد اور سامرہ فوجوں سے خالی ہو گئے ہیں۔ تمھارے لیے بہترین موقع ہے کہ تم خلافت بغداد پر حملہ کر کے ان سے اپنی سابق سلطنت چھین لو۔ شاہ روم اپنی ایک لاکھ فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ سب سے پہلے اس نے زبطرہ پر شب خون مارا جو ترکی کی سرحد پر واقع تھا۔ وہاں کے مردوں کو قتل کیا اور بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔

یہ 29 ربیع الثانی 223ھ کا واقعہ ہے۔ ایک شخص زبطرہ کے حادثہ کی خبر لے کر معتصم باللہ کے پاس بغداد پہنچا۔ واقعات بتاتے ہوئے اس نے کہا کہ ایک عرب عورت کو رومیوں نے پکڑا اور اس کو کھینچ کر لے جانے لگے تو اس نے پکارا وامعتصماہ (ہائے معتصم) معتصم باللہ اس وقت مجلس طرب میں تھا۔ مگر جیسے ہی اس نے یہ خبر سنی لبیک لبیک کہتا ہوا فوراً وہ اپنے تخت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا کہ میں اس وقت تک آرام نہیں کروں گا جب تک عرب خاتون کی مدد نہ کرلوں۔ وہ اپنے محل پر چڑھا اور اس کے اوپر کھڑا ہو کر پکارا الرحیل الرحیل (کوچ، کوچ) اس کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا اور کوچ کا نقارہ بجوا دیا۔ لشکر اور سرداران لشکر گروہ در گروہ آ کر اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ وہ اس معاملہ میں اتنا سنجیدہ تھا کہ قاضی اور گواہ بلا کر اس نے وصیت لکھوائی کہ اگر میں جنگ سے واپس نہ آؤں تو میرا اثاثہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔

معتصم باللہ اپنے لشکر کے ساتھ زبطرہ پہنچا تو رومی وہاں سے بھاگ کر اپنے قلعہ بند شہر عموریہ جا چکے تھے۔ معتصم باللہ آگے بڑھا اور اپنی فوجوں کو لے کر رومی علاقہ (ترکی) میں داخل ہو گیا۔ اس نے عموریہ کا محاصرہ کرلیا۔ 55 روز کے محاصرہ کے بعد رومی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ معتصم باللہ نے عموریہ کی تمام شاہی اور فوجی تعمیرات کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا۔ قیصر

روم نوفل نے بھاگ کر قسطنطنیہ میں پناہ لی۔ معتصم باللہ نے عرب خاتون کو رومی قید سے آزاد کرایا اور اس کو اس کے گھر پہنچا دیا (تاریخ ابن خلدون، جلد 3، صفحہ 327)۔

کسی معاشرہ میں ”فساد“ نہ ہونے کی سب سے بڑی ضمانت یہ ہے کہ اس کے افراد مظلوم کی پکار پر دوڑ پڑیں۔ اس کے برعکس، جہاں لوگوں کو مظلوم کی پکار سے دلچسپی نہ ہو، وہ صرف اس وقت بیان اور تقریر کا کرشمہ دکھانے کے لیے باہر آئیں جب کہ اس کے اندر اخباری اہمیت (نیوز ویلو) پیدا ہو چکی ہو، ایسے معاشرہ میں ہر وقت فساد کے اسباب پرورش پاتے رہتے ہیں اور موقع پاتے ہی پھوٹ پڑتے ہیں۔ آج لوگوں میں انفرادیت (self-interest) اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ ایک شخص خواہ کتنا ہی پکارے، کوئی اس کی مدد کے لیے نہیں دوڑتا۔ حتی کہ وہ لوگ بھی اس کی مدد کے لیے اپنے اندر کوئی تڑپ نہیں پاتے جو بے انصافی کے خاتمہ کے نام پر اپنی تحریکیں چلا رہے ہیں۔ لوگ ظلم اور بے انصافی کے نام پر تقریریں کرتے ہیں۔ مگر جب ایک واقعی مظلوم ان کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو وہ حیرت انگیز طور پر پاتا ہے کہ ان مقرر لیڈروں کو اس کی مدد پر پہنچنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔

موجودہ فرقہ وارانہ فساد کا کم از کم ایک جزئی سبب یہ بھی ہے۔ ایک مقام پر ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو ستایا۔ اس نے اپنی قوم کے لیڈروں کو مدد کے لیے پکارا۔ مگر کوئی ایک شخص بھی اس کی مدد پر نہ اٹھا۔ اس واقعہ کا اس پر اس قدر شدید ردعمل ہوا کہ مسلمانوں سے اس کو نفرت ہو گئی۔ اس نے ایک سازش کر کے اپنے مقام پر ایک فرقہ وارانہ فساد کرا دیا۔ اور جب فساد کا ہنگامہ شروع ہوا تو اس کے دوران اس نے ان لوگوں کے گھر جلا ڈالے جن سے اس کو شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ کسی معاشرہ کا سب سے بڑا فساد باہمی بے اعتمادی ہے اور انفرادی ظلم پر نہ دوڑنا معاشرہ کے اندر برائی پیدا کرتا ہے۔

پتھر سے پانی

روس کے کچھ ماہرین نے تجربہ کر کے بتایا ہے کہ پتھر کو نچوڑ کر اس سے پانی نکالا جا سکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ زمین کے چند میٹر نیچے سے پتھر کی چٹان کا ایک ٹکڑا کاٹ کر نکالیے اور اس کو دھات کے گلاس میں رکھیے۔ پھر اس کے اوپر دس ٹن فی مربع سنٹی میٹر کے حساب سے دباؤ ڈالئے۔ اس کے بعد پتھر سے سیال پانی سے قطرے ٹپکنا شروع ہو جائیں گے۔

یہ قدرت کی ایک نشانی ہے جو تم کو سبق دیتی ہے کہ اس دنیا میں ہمارے لیے کیا کیا امکانات رکھ دیے گئے ہیں۔ پتھر ایک خشک چیز ہے۔ مگر پتھر جیسی خشک چیز بھی اس وقت پانی ٹپکانے لگتی ہے جب کہ اس کو استعمال کیا جائے اور اس کے ساتھ وہ عمل کیا جائے جو مطلوب ہے۔ ایک مسلمان نے شہر میں اپنا مکان بنایا۔ ان کے قریب ہی ایک اور شخص نے گھر بنایا جو کہ دوسرے فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ایک ٹھیکہ دار آدمی تھا اور بہت تیز تھا۔ مسلمان کے گھر اور ٹھیکہ دار کے گھر کے درمیان ایک زمین تھی جس کے بارے میں دونوں میں جھگڑا شروع ہو گیا ہر ایک کا دعوی تھا کہ یہ زمین میری ہے۔ ٹھیکہ دار نے دیکھا کہ وہ تنہا اپنا مطالبہ منوانے میں کامیاب نہیں ہو رہا ہے، وہ شہر کے فرقہ پرست عناصر کے پاس گیا اور ان کو خوب ورغلایا۔ یہاں تک کہ ایک روز فرقہ پرستوں کی ایک بھیڑ مسلمان کے مکان کے سامنے جمع ہو گئی اور شر انگیز نعرے لگانے لگی۔

مسلمان اپنے گھر سے باہر نکلا تو صورت حال کا اندازہ کرنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ یہ لوگ شر پسندی پہ آمادہ ہیں اور اگر ذرا سی بھی کوئی اشتعال انگیز بات ہوئی تو جلانے اور پھونکنے کی سطح پر اتر آئیں گے۔ اس نے کہا آپ میں نمائندہ کون لوگ ہیں، وہ باہر آجائیں

تا کہ ان سے بات کی جا سکے۔ چنانچہ چار پانچ لیڈر قسم کے آدمی سامنے آگئے مسلمان ان کو اپنے دفتر میں لے گیا۔ جب وہ لوگ سکون کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھ گئے تو اس نے کہا کہ بات بہت مختصر سی ہے اور اس کا فیصلہ بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ دیکھیے زمین کاغذ پر ہوتی ہے زمین کا فیصلہ کاغذ کو دیکھ کر کیا جاتا ہے، جو کاغذات میرے پاس ہیں وہ میں آپ کو دے دیتا ہوں۔ اور جو کاغذات ٹھیکہ دار صاحب کے پاس ہیں وہ بھی آپ ان سے لے لیں۔ آپ دونوں کا غذات کو دیکھ لیجیے۔ اس کے بعد آپ جو فیصلہ کریں وہی مجھ کو منظور ہے، یہ سنتے ہی فرقہ پرست لیڈروں کا ذہن بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔ ہر ایک نے کہا کہ "یہ تو بہت معقول آدمی ہے۔ یہ سارا فیصلہ خود ہمارے حوالے کر رہے ہیں۔" اس کے بعد انھوں نے چند دن کاغذات دیکھنے میں گزارے اور بالآخر خود مسلمان کے حق میں زمین کا فیصلہ کر دیا فرقہ پرست عناصر ابتداءً پتھر تھے۔ مگر مسلمان نے جب ان کے اوپر معقولیت کا دباؤ ڈالا تو پتھر سے پانی ٹپکنا شروع ہو گیا۔

صبر کا طریقہ

فساد کا کوئی سبب پیدا ہوتو اس وقت ایک طریقہ صبر کا ہے اور دوسرا طریقہ اشتعال کا۔ ایسے موقع پر مشتعل ہونا فساد کو بڑھاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ذہن کو قابو میں رکھ کر سوچا جائے اور صبر کا طریقہ اختیار کیا جائے تو مسئلہ جہاں تھا وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں ہم چند واقعات لکھتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ صبر کا طریقہ اختیار کرنا کس طرح فساد کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

ا۔ غالباً 1973 کی بات ہے۔ دارالعلوم ندوہ (لکھنو) کے قریبی محلہ میں ایک غیر مسلم کی گائے تھی۔ ایک مقامی مسلمان نے کسی وجہ سے گائے کو مارا۔ اتفاق سے چوٹ کسی نازک مقام پر لگ گئی اور گائے مر گئی۔ غیر مسلم حضرات کو جب معلوم ہوا کہ ان کی گائے ایک مسلمان نے مار ڈالی ہے تو پورے علاقہ میں اشتعال پیدا ہو گیا سیکڑوں کی تعداد میں غیر مسلم لوگ جمع ہو گئے۔ سب سے قریبی مسلم مرکز ندوہ تھا۔ وہ لوگ ندوہ میں گھس آئے اور اشتعال انگیز نعرے لگانے لگے۔

یہ بڑا نازک وقت تھا۔ اندیشہ تھا کہ وہ لوگ ندوہ کو آگ لگا دیں اور پھر سارے شہر میں فساد برپا ہو جائے۔ ندوہ کے ذمہ داروں نے اس موقع پر مشورہ کیا۔ طے ہوا کہ اس مشتعل مجمع کو ٹھنڈا کرنے کی تدبیر صرف یہ ہے کہ گائے کے قاتل کو مجمع کے حوالے کر دیا جائے۔ اگر چہ یہ ایک خطرناک کام تھا مگر شہر کو آگ اور خون سے بچانے کی کوئی دوسری تدبیر ممکن نہ تھی۔ چنانچہ ذمہ دار حضرات مذکورہ مسلمان کے پاس گئے جو غالباً ندوہ کے ایک کمرہ میں چھپا ہوا تھا۔ اس سے کہا کہ اس وقت ندوہ اور سارا شہر خطرہ میں ہے۔ مگر ان کا

سارا غصہ تمھاری وجہ سے ہے۔ اگر وہ تم کو پا جائیں تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اگر چہ یہ تمھارے لیے ایک خطرہ کی بات ہے۔ تاہم امید ہے کہ اللہ کی مدد حاصل ہوگی اور تم کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ آخر کار وہ راضی ہو گیا۔ اور نکل کر مجمع کے سامنے آ گیا۔ اس نے کہا کہ آپ کی گائے میں نے ماری ہے اس لیے آپ میرے ساتھ جو چاہیں کریں۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ میں نے مارنے کی نیت سے نہیں مارا تھا بلکہ اس کو بھگانے کے لیے مارا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ وہ مر گئی۔ مجمع نے جب گائے کے قاتل کو دیکھا اور اس کی باتیں سنیں تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ لوگ جو ندوہ کو پھونکنے اور اور شہر کی مسلم آبادی کو ویران کرنے پر تلے ہوئے تھے وہ صرف اتنی سی بات پر راضی ہو گئے کہ گائے کا قاتل گائے کی قیمت ادا کر دے۔ قیمت فوراً ادا کر دی گئی اور مسئلہ اسی وقت ختم ہو گیا۔

2۔ فیروز جھر کا ضلع گڑ گاؤں (ہریانہ) کا ایک قصبہ ہے۔ قصبہ میں تقریباً تمام دکانیں غیر مسلم حضرات کی ہیں۔ مگر اطراف کے تمام دیہاتوں میں مسلمانوں (میووں) کی اکثریت ہے۔ فیروز پور کے بازار میں زیادہ تر یہی مسلمان خریداری کرتے ہیں۔ 1980 کے آغاز میں یہ واقعہ ہوا کہ ایک غیر مسلم خاندان کی لڑکی گھر سے غائب ہو گئی۔ لوگوں کو شبہ ہوا کہ چھ مسلم نوجوانوں نے ایسا کیا ہے۔ چنانچہ غیر مسلم حضرات نے کافی شور وغل کیا۔ پولس میں رپورٹ کر کے کچھ مسلمانوں کو گرفتار کرایا۔

ایک روز احتجاجی ہڑتال کی۔ بسوں کو روک کر مسلم مسافروں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ ہندی اخبارات میں اغوا کی رپورٹ شائع کرائی۔ اس طرح کے واقعات نے علاقہ میں سخت اشتعال پیدا کر دیا۔ اور اندیشہ ہو گیا کہ کسی بھی دن فساد برپا ہو جائے اور اس کے بعد سارا علاقہ آگ اور خون کی نذر ہو جائے۔

اس علاقہ میں مسلمانوں کی پنچایت قائم ہے اور اہم قومی مسائل پر پنچائتی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ پنچائت کا اعلان ہوا تا کہ باہمی مشورہ سے اقدام کا فیصلہ کیا جائے۔ ایک خاص تاریخ کو علاقہ کے چودھری اور ذمہ دار مسلمان کئی سو کی تعداد میں فیروز پور کے پاس ایک مقام پر جمع ہوئے کئی گھنٹہ کی گفتگو کے بعد بالآخر بائیکاٹ کا فیصلہ ہوا۔ طے ہوا کہ مسلمان کوئی براہ راست کارروائی نہ کریں۔ بس خاموشی سے یہ کریں کہ غیر مسلم دوکان داروں کے یہاں سے خریداری کرنا بالکل بند کر دیں۔ کچھ لوگ نگراں مقرر ہوئے جو بازار کے تمام راستوں پر بیٹھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ کوئی مسلمان خریداری کے لیے غیر مسلم دکان داروں کے یہاں نہ جائے۔

اگلے دن سے بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ میووں کے نزدیک برادری کے فیصلہ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، اس لیے بائیکاٹ کا فیصلہ صدفی صد کامیاب رہا۔ فیروز پور کا بازار نیز اطراف کے بازار جو روزانہ بھرے رہتے تھے، بالکل سونے ہو گئے۔ دکان دار سارے دن بے کار رہنے لگے۔ ابھی بائیکاٹ کو صرف تین دن گزرے تھے کہ غیر مسلم دکاندار چیخ اٹھے۔ غیر مسلم دکان داروں نے باہم مشورہ کر کے علاقہ کے ذمہ دار مسلمانوں کو بلایا اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کی ایک مشترکہ پنچایت کی۔ غیر مسلم حضرات نے کہا کہ ہم آپ کے بھائی ہیں۔ جو کچھ ہوا اس کو بھول جائے اور ہماری کوتاہی معاف کیجیے اور بائیکاٹ کو ختم کر دیجیے۔ مسلمانوں نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور چوتھے دن بائیکاٹ ختم ہو گیا اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جو کارروائیاں کی جارہی تھیں وہ بھی ختم ہو گئیں۔

3۔ علی گڑھ یونیورسٹی کیمپس میں ستمبر 1980 میں یہ واقعہ ہوا کہ ہادی حسن ہال کے پیچھے ایک جھاڑی میں دوسرے فرقہ سے تعلق رکھنے والے چار آدمی ایک سور کاٹ رہے تھے۔ بظاہر ان کا منصوبہ یہ تھا کہ سور کے ٹکڑے یونیورسٹی میں پھینک کر وہاں کے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا جائے اور اس طرح بہانہ پیدا کر کے یونیورسٹی کے علاقہ میں فساد کیا

جائے۔ اتفاق سے کچھ مسلم طلبا نے اس کو دیکھ لیا۔ انھوں نے فوراً یونیورسٹی پراکٹر کو مطلع کیا۔ پراکٹر نے اسی وقت پولیس کو ٹیلی فون کیا۔ پولس اطلاع ملتے ہی فوراً پہنچ گئی اور چاروں آدمیوں کو عین موقع پر گرفتار کرلیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لوگوں کی یہی دانش مندی تھی جس کی وجہ سے ایسا ہوا کہ 80-1979 میں علی گڑھ میں مہینوں تک فساد کا سلسلہ جاری رہا مگر سارا فساد شہر کے علاقہ میں ہوا اور ریلوے لائن کے دوسری طرف یونیورسٹی کا وسیع علاقہ بالکل محفوظ رہا۔ علی گڑھ کا یہ تجربہ بتاتا ہے کہ ہر تخریبی سازش کو دانش مندی کے ذریعہ غیر موثر بنایا جاسکتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ فساد کے اسباب مکمل طور پر پیدا ہونے کے باوجود اس کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ کوئی واقعہ خواہ کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو ہمیشہ اس کے اندر اس کی کاٹ کے اسباب بھی موجود ہوتے ہیں۔ اور یہ ممکن ہوتا ہے کہ ان کو استعمال کرکے اس کو غیر مؤثر بنا دیا جائے۔ مگر اس امکان کو استعمال کرنے کی لازمی شرط صبر ہے۔ واقعہ خواہ کتنا ہی خلاف مزاج ہو مگر دانش مندی یہ ہے کہ اس کو دیکھ کہ آدمی مشتعل نہ ہو۔ مشتعل آدمی کی عقل کھوئی جاتی ہے۔ وہ کسی معاملہ کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتا۔ اس لیے وہ اس کو دفع کرنے کی صحیح منصوبہ بندی بھی نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد انتہائی ضروری ہے کہ آدمی مشورہ کرے۔ مشورے سے بیک وقت دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں کئی آدمیوں کی سوچ اور تجربات شامل ہوجاتے ہیں۔ اس لیے معاملہ کو زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھنا ممکن ہوجاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں متاثر ذہن کے ساتھ غیر متاثرہ ذہن کی رائے بھی شامل ہوجاتی ہے۔ اس لیے جو فیصلہ ہوتا ہے وہ ٹھنڈے ذہن سے سوچا سمجھا فیصلہ ہوتا ہے، نہ کہ مغلوب زہین کے تحت کیا ہوا فیصلہ۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ یک طرفہ الزام بازی کا طریقہ ہر گز اختیار نہ کیا جائے۔ بلکہ فیاضی کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا جائے۔ انسان کی یہ نفسیات ہے کہ اگر وہ دیکھتا ہے کہ مقابل کا آدمی اپنی غلطی کو نہیں مان رہا ہے تو اس کے متعلق اس کے اندر انتقام کے جذبات امنڈتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر آدمی دیکھے کہ اس کا حریف اپنی غلطی کو کھلے دل سے مان رہا ہے تو اچانک اس کے اندر رحم اور عفو کے جذبات امنڈ آتے ہیں۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ غلطی کا اعتراف کر کے اس نے اپنی سزا آپ دے لی ہے، اب میں مزید سزا اسے کیا دوں۔

یہ بھی حد درجہ ضروری ہے کہ قانون کو کبھی اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کی جائے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں باقاعدہ قانون کی حکومت قائم ہو وہاں قانون اپنے ہاتھ میں لینا اپنے کو مجرم کی صف میں کھڑا کرنا ہے۔ قانون اپنے ہاتھ میں لے کر آدمی اپنے آپ کو بیک وقت دو فریقوں کا مدمقابل بنا لیتا ہے۔ ایک وہ شخص جس نے کوئی شر کیا تھا، اور دوسرے ملک کا انتظامیہ۔ اس کے برعکس اگر آپ معاملہ کو فوراً انتظامی ذمہ داروں کے حوالے کر دیں تو آپ درمیان سے ہٹ جاتے ہیں۔ اب سارا معاملہ شر پسند اور انتظامیہ کے درمیان ہو جاتا ہے۔

آخری ضروری چیز اتحاد ہے۔ کوئی بھی اجتماعی تدبیر اجتماعی طاقت ہی سے کامیاب ہوتی ہے اور اتحاد ہی کا دوسرا نام اجتماعی طاقت ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ اتحاد اس طرح کبھی نہیں ہوتا کہ تمام لوگوں کی رائیں ایک ہو جائیں۔ ایسا اتحاد موجودہ دنیا میں ممکن نہیں۔ اتحاد دراصل اختلاف رائے کے باوجود متحد ہونے کا نام ہے، نہ کہ اختلاف رائے نہ ہونے پر متحد ہونے کا۔ اگر ہم اپنے حریف کے مقابلہ میں موثر بننا چاہتے ہیں تو ہم کو رائے کی قربانی دینے پر تیار ہونا پڑے گا۔ رائے کی قربانی ہی پہ اتحاد قائم ہوتا ہے اور جہاں اتحاد موجود ہو وہاں کسی شریر کی شرارت کا کوئی گزر نہیں۔

تدبیر وہی ہے جو خاموش تدبیر ہو کسی ناخوش گوار صورت حال کے پیش آنے کے بعد

جب آدمی شوروغل کرنے لگے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو گیا ہے۔ اور جذبات سے مغلوب انسان کبھی کوئی گہری تدبیر سوچ نہیں سکتا۔ گہری تدبیر گہرے غوروفکر سے حاصل ہوتی ہے، جب کہ شوروغل آدمی کو اس قابل ہی نہیں رکھتا کہ کہ وہ کسی معاملہ میں گہرائی کے ساتھ غور کر سکے۔

قدرت کا سبق

جانوروں کے دو سب سے بڑے مسئلے ہیں۔ غذا اور دفاع ۔ جانوروں میں ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہیں اور ہر جانور کو مستقل طور پر اپنے بچاؤ کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ جانوروں میں اپنے بچاؤ کے جو طریقے رائج ہیں وہ انسان کے لیے بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ حیوانات کا طریقہ دراصل قدرت کا طریقہ ہے۔ حیوانات جو کچھ کرتے ہیں اپنی جبلت کے تحت کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر، وہ براہ راست قدرت کے سکھائے ہوئے ہیں۔ جانور گویا قدرت کے مدرسہ میں تربیت پائے ہوئے طالب علم ہیں۔ ان کا عمل قدرت کا بتایا ہوا سبق ہے۔ ان کے طریق کار کو پیدا کرنے والے کی تصدیق حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ ہاتھی اور شیر جنگل کے دو سب سے بڑے جانور ہیں۔ اگر دونوں میں ٹکراؤ ہو جائے تو یہ ٹکراؤ دونوں کے لیے مہلک ہوتا ہے، ہاتھی اور شیر دونوں اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لیے وہ ہمیشہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ایک دوسرے سے کترا کر نکل جائیں۔ بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ دونوں یہ نوبت آنے دیں کہ ان کے درمیان براہ راست جنگ شروع ہو جائے۔ دو ایسے حریفوں کی جنگ جن میں دونوں میں سے کوئی دوسرے کو فنا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو ہمیشہ دوطرفہ تباہی پر ختم ہوتی ہے۔ اور شیر اور ہاتھی اپنی زندگی میں اس کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہیں۔

2۔ یہی معاملہ سانڈ کا ہے۔ دو سانڈ (بھینسے یا بیل) اگر ایک دوسرے سے لڑ جائیں تو اس کا بہت کم امکان ہے کہ ایک دوسرے کو ختم کر دے۔ سانڈ ایسے بے فائدہ ٹکراؤ سے بچنے

کے لیے یہ تدبیر کرتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے حدود بانٹ لیتے ہیں۔ دو سانڈ ایک علاقہ میں پہنچ جائیں تو چلتے چلتے جب کسی مقام پر دونوں کی مڈ بھیڑ ہوتی ہے تو دونوں ایک دوسرے کو سینگ مار کر علامتی طور پر اظہار کرتے ہیں کہ یہاں سے ایک طرف تمھارا علاقہ ہے اور یہاں سے دوسری طرف میرا علاقہ۔ اس علامتی تکرار کے بعد دونوں اپنے پیچھے کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور اس کے بعد دونوں مکمل طور پر اس سرحدی تقسیم کی پابندی کرتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ دو سانڈ آپس میں لڑ جائیں۔

3۔ آپ نیلی گھوڑی یا بیر بہوٹی کو چھوئیں تو وہ پاؤں سمیٹ کر بے حس وحرکت زمین پر پڑ جائے گی۔ بہت سے جانوروں کے لیے اپنے دشمن سے بچنے کا یہ آسان طریقہ ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ دشمن سر پر آ گیا ہے اور اس سے بھاگنا ممکن نہیں ہے تو وہ اپنے کو بے حس وحرکت بنا لیتے ہیں۔ ان کا دشمن ان کو دیکھتا ہے مگر وہ مردہ سمجھ کر ان کو چھوڑ دیتا ہے۔ وہ اپنے کو غیر موجود ظاہر کر کے اپنے کو دشمن سے بچا لیتے ہیں اور جب دشمن ہٹ جاتا ہے تو بھاگ جاتے ہیں۔

4۔ جو جانور بلوں کے اندر رہتے ہیں ان کے لیے ہمیشہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ ان کا دشمن ان کی بل کے اندر گھس جائے اور دشمن سے وہ اس طرح گھر جائیں کہ بل کے محدود رقبہ کی وجہ سے وہ بھاگ نہ سکیں۔ چنانچہ بل والے جانور ہمیشہ اپنی بل میں ایک عقبی گزرگاہ رکھتے ہیں جو ہنگامی حالات میں کام آسکے۔ جب بھی کوئی جانور دیکھتا ہے کہ سامنے کے سوراخ سے اس کا دشمن اس کے گھر میں گھس آیا ہے، وہ پیچھے کے سوراخ سے نکل کر باہر بھاگ جاتا ہے اور دشمن کی زد سے اپنے کو بچا لیتا ہے۔

5۔ ایک بہت چھوٹا کیڑا ہے۔ وہ اپنے حریف کیڑے کو ختم کرنے کے لیے بہت دلچسپ طریقہ اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے حریف کیڑے کے جسم میں اپنا ڈنک چبھاتا ہے جو

انجکشن کی سوئی کی مانند ہوتا ہے یعنی نکیلا اور اندر سے سوراخ دار وہ نہایت پھرتی سے اپنے بے حد چھوٹے انڈے کو اس کے جسم میں داخل کر دیتا ہے۔ یہ انڈا جو دراصل زندہ بچے کی ابتدائی صورت ہوتی ہے، اپنے میزبان جانور کے جسم کا اندرونی حصہ کھاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ لاروا (چھوٹے بچہ) کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اب یہ لاروا باہر نکلنے کے لیے زور کرتا ہے۔ میزبان جانور کے لیے یہ سخت ترین لمحہ ہوتا ہے مگر وہ ایک ایسے دشمن کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس پاتا ہے جو خود اس کے پیٹ میں گھسا ہوا ہو۔ اس طرح لاروا زور کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے میزبان جانور کے جسم کو پھاڑ کر باہر آجاتا ہے۔ یہ عمل اتنا شدید ہوتا ہے کہ اس کے بعد میزبان جانور کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

قدرت کے تربیت یافتہ حیوانات میں بچاؤ کے جو طریقے رائج ہیں وہی انسان کے لیے بھی پوری طرح کارآمد ہیں۔ انسان کے لیے بھی اپنے حریف کے مقابلہ میں بہترین تدبیر یہ ہے کہ وہ براہ راست تصادم سے بچے اور کترا کر نکلنے کی کوشش کرے۔ حریف کو کبھی یہ محسوس کرنے کا موقع نہ دیا جائے کہ آپ اس کے دائرہ میں مداخلت کر رہے ہیں۔ اگر حریف کا سامنا ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں اپنے کو غیر فعال ظاہر کر کے اپنے کو اس کی زد سے ہٹا لیا جائے یا اپنے دائرہ میں سمٹ کر اس کو یہ احساس دلایا جائے کہ میری وجہ سے تمھارا کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں۔ اسی کے ساتھ ایسی تدبیروں کا اہتمام کیا جائے جن کے ذریعہ ہنگامی حالات میں دشمن کا وار خالی دیا جا سکے۔ اور اگر حریف کے خلاف کارروائی کرنا ضروری ہو تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ حریف کے اپنے جسم میں اس کا ایک "عدو" داخل کر دیا جائے جس کی غذا حریف کا جسم ہو۔ وہ اس کو خاموشی کے ساتھ کھاتا رہے، یہاں تک کہ اندر ہی اندر دشمن کا خاتمہ کر دے۔

جانوروں نے اپنے بچاؤ کے یہ اصول خود نہیں بنائے، وہ ان کو خدا نے سکھائے ہیں۔ ان طریقوں کو خداوندی تصدیق حاصل ہے۔ پھر یہ کہ جانوروں کی دنیا میں اس قسم کی دفاعی

تدبیریں کسی بزدلی کی بنا پر نہیں ہیں بلکہ خالص حقیقت پسندی کی بنا پر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ غیر ضروری ٹکراؤ سے بچ کر اپنی خود تعمیری کے عمل کو جاری رکھا جائے۔ کوئی جانور چارہ کی تلاش میں جا رہا ہے۔ کوئی اپنے جوڑے سے ملنے کے لیے سفر کو رہا ہے۔ کوئی اپنا گھر بنانے کی جدو جہد میں مصروف ہے۔ کسی کو اپنے بچوں کی پرورش کرنے کے لیے موقع درکار ہے۔ ایسی حالت میں اس کی اپنے دشمن سے مڈ بھیڑ ہو جاتی ہے۔ اب اگر جانور اپنے حریف سے لڑائی شروع کر دے تو اس کا اپنی تعمیر کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جانور حریف کے براہ راست تصادم سے گریز کرتا ہے، الّا یہ کہ وہ مجبوراً اس میں گرفتار ہو جائے۔ وہ اپنے تعمیری کام کو جاری رکھنے کی خاطر تصادم سے بچ کر یہ طریقہ جو حیوانات جبلت کے تحت اختیار کرتے ہیں وہی انسان کو شعوری طور پر انجام دینا ہے۔

فسادات کا مسئلہ اور اس کا حل

فرقہ وارانہ فسادات کا مسئلہ ہمارے قائدین کی سب سے زیادہ توجہ کا مرکز رہا ہے۔ پچھلے 35 سال میں ہماری قیادت نے جس واحد مسئلہ پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے وہ یہی مسئلہ ہے۔ ہر بار جب کوئی فساد ہوتا ہے تو مسلمانوں کے تمام لکھنے اور بولنے والے لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تقریریں کی جاتی ہیں۔ بیانات جاری ہوتے ہیں۔ ریلیف فنڈ قائم ہوتے ہیں۔ غرض سرگرمیوں کا ایک طوفان امنڈ پڑتا ہے۔ ان فسادات کے سلسلہ میں ہمیں جو کچھ کرنا ہے، وہ اگر یہی ہو جو اب تک ہوتا رہا ہے تو یہ کام اس ملک میں اتنے بڑے پیمانہ پر ہو چکا ہے کہ اب تک فسادات کا خاتمہ ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر عملی صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ موجودہ کوششوں کی یہ ناکامی آخری طور پر ثابت کر رہی ہے کہ یہ مسئلہ کا حل نہیں۔ اگر وہ اس کا حل ہوتا تو 35 سال کی مدت کافی تھی کہ اس کا کوئی مفید مطلب نتیجہ برآمد ہو۔ یہ صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ ہم اس معاملہ پر از سر نو غور کریں اور اپنے طریق عمل کو دوبارہ نئے ڈھنگ سے مرتب کریں۔

فسادات کا پس منظر

ہمارے ملک میں جو فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں، عام طور پر ان کے آغاز میں ایک چھوٹا سا واقعہ ہوتا ہے۔ ایک چھوٹے واقعہ پر ہیبت ناک فساد کا پیدا ہو جانا اتفاقاً نہیں ہوتا۔ اس کے تاریخی اور نفسیاتی اسباب ہیں۔ ہم خواہ اس کو مانیں یا نہ مانیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ پڑوسی قوم میں ہمارے خلاف مستقل طور پر ایک حریفانہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب تقسیم کی سیاست ہے۔ ملک کی تقسیم بجائے خود برادران وطن کو

مشتعل کرنے کے لیے کافی تھی۔ مزید یہ کہ تقسیم اس ڈھنگ سے ہوئی کہ تقسیم ہو کر بھی بہت سے نازک مسائل غیر حل شدہ حالت میں باقی رہ گئے۔ اس طرح کے مختلف تاریخی اسباب ہیں جنھوں نے برادران وطن کو مسلسل طور پہ ہمارے خلاف مشتعل کر رکھا ہے۔ گویا ایک لاوا ہے جو دلوں میں چھپا ہوا ہے اور کوئی موقع پاتے ہی اچانک پھٹ پڑتا ہے۔

مجھے تسلیم ہے کہ کوئی شخص معقول بنیادوں پر یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ تقسیم کی تحریک خود بھی فریق ثانی کے کسی عمل کا ردعمل تھی۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس دعوے کا عملی فائدہ کیا ہے۔ اس قسم کے دعوے کی اہمیت اس وقت ہوتی ہے جب کہ کسی مسئلہ کا صرف منطقی تجزیہ کرنا مقصود ہو، آدمی کے حقیقی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ مگر جب کوئی معاملہ فوری زندگی کا معاملہ بن جائے تو ہر عقل مند آدمی کا یہ طریقہ ہے کہ وہ منطقی سلسلہ کو توڑ کر عملی پہلو کو سامنے رکھتا ہے تاکہ وہ اپنے عملی اقدام کے بارے میں کوئی فیصلہ لے سکے۔ دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرانے کی بحث کو اگر لمبا کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا ہم اپنے اقدام کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر سکیں گے اور اصل مسئلہ بدستور اپنی جگہ باقی رہے گا۔ چھری اگر خربوزہ کی سطح تک پہنچ چکی ہو تو اس وقت منطق کی عدالت میں چھری کو ملزم ٹھہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایسے وقت میں اپنے کو فریق ثانی کی زد سے ہٹانے کا سوال ہوتا ہے، نہ کہ الفاظ کی دنیا میں فریق ثانی کو ذمہ دار ثابت کرنے کا۔ یہ ایک معلوم اور مسلمہ حقیقت ہے کہ کبھی منطقی تقاضے کے مقابلہ میں عملی پہلو زیادہ اہم ہوتا ہے، اور زیر بحث معاملہ میں صورت حال بلاشبہ یہی ہے۔

شہر کی ایک عمارت میں ایک مسلمان نے نیچے کا حصہ کرایہ پر لیا۔ کچھ دن کے بعد اس نے محسوس کیا کہ چھت ٹپک رہی ہے۔ اوپر کے حصہ میں جو صاحب رہتے تھے ان کا غسل خانہ ٹپکنے لگا تھا۔ مستقل پانی کا ٹپکنا ایک مصیبت تھا۔ مزید یہ کہ یہ گندا پانی تھا، کیونکہ غسل

خانہ اور بیت الخلا دونوں ایک ساتھ ملے ہوئے تھے۔ نیچے والے نے اوپر والے سے کہا تو انھوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس کے بعد اس نے محلہ والوں سے کہا اور اپنی مصیبت ان کو دکھائی۔ مگر انھوں نے بھی کوئی دردمندی ظاہر نہ کی۔ ایک شخص نے کہا: ”بھائی، ہمارے شہر کا رواج تو یہ ہے کہ جس کے سر پر ٹپکے وہ بنوائے“۔ کرایہ دار نے کہا کہ یہ تو کوئی بات نہیں۔ اصول یہ ہونا چاہیے کہ ”جو ٹپکائے وہ بنوائے“۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ اس کے دلائل بے زور ثابت ہو رہے ہیں۔ یہ سارے لوگ مسلمان تھے۔ اس نے قرآن وحدیث کے احکام سنائے مگر قرآن وحدیث کے الفاظ بھی ان کے دل کو پگھلانے کے لیے کافی ثابت نہ ہوئے۔ کچھ دوستوں نے مشورہ دیا کہ تم ان کے خلاف نوٹس دو اور مقدمہ قائم کرو۔ مگر اس نے غور کیا تو مقدمہ کے اخراجات اور اس کی مدت اتنی زیادہ تھی کہ عملاً اس کے لیے اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ بالآخر اس نے اپنے پاس سے خرچ کر کے خود اس کو بنوا دیا۔

یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ذاتی معاملہ میں آدمی کیا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ ذاتی معاملہ میں ہر آدمی یہ کرتا ہے کہ وہ اس بحث میں نہیں پڑے تا کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔ وہ جانتا ہے کہ موجودہ دنیا میں دلیل سے زیادہ کمزور کوئی چیز نہیں۔ دلیل سے خواہ کتنے ہی بڑے پیمانہ پر کسی کو ملزم ثابت کر دیا جائے عملاً اس سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا کیونکہ آج کی دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے جو دلیل کے آگے اپنے کو جھکا دے۔ اس سلسلہ میں مسلمان اور غیر مسلمان حتیٰ کہ دین دار اور بے دین کا بھی کوئی فرق نہیں۔ یہ بات اپنے ذاتی معاملہ میں ہر شخص جانتا ہے۔ اس لیے جب کوئی ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر پانی اپنے سر ٹپکتا ہے، تو وہ فوراً جان لیتا ہے کہ دلیل اور بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ اپنے آپ پر ذمہ داری لیتے ہوئے فوراً یہ کرتا ہے کہ معاملہ کو خود درست کر لیتا ہے۔ مگر عجیب بات

ہے کہ زندگی کا یہی سادہ اصول ملت کے معاملہ میں کوئی شخص اپنانے کے لیے تیار نہیں۔ملت کا سوال آتے ہی ہر شخص اس کوشش میں لگ جاتا ہے کہ وہ فریق ثانی کو ملزم ثابت کرے۔ یہ سنگین واقعہ بھی لوگوں کے جوش میں کوئی کمی نہ کر سکا کہ 35 سالہ کوشش کے باوجود ابھی تک اس طریق عمل کا کوئی فائدہ نہیں نکلا۔

یہ صورت حال اتفاقاً نہیں۔اس کے گہرے اسباب ہیں۔ دوسرے کو ملزم ٹھہرانا سب سے آسان کام ہے اور خود ذمہ داری قبول کرنا اس کے مقابلہ میں اتنا ہی مشکل ہے۔ دوسرے کو ملزم ٹھہرانا ہو تو الفاظ بول کر ذمہ داری ادا ہو جاتی ہے۔مگر جب آدمی خود ذمہ داری قبول کرے تو پھر عمل اور جدو جہد کے طویل تقاضے سامنے آجاتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ہمارے قائدین صرف الفاظ بول کر قیادت کا کریڈٹ لینا چاہتے ہیں۔ وہ کچھ کرنے کے لیے تیار نہیں۔اگر وہ فی الواقع کرنے کی تڑپ رکھتے تو ان کا اندازہ بالکل دوسرا ہوتا۔

زندگی کا راز یہ ہے کہ حالات کے اندر موجود عوامل کو استعمال کیا جائے۔ اور حالات کے غیر معمولی بگاڑ کے باوجود یہاں ایسے عوامل موجود ہیں جن کو ہم اپنے حق میں استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دو فریقوں کے درمیان خواہ کتنی ہی تلخ یادیں ہوں، زندگی کے روزمرہ کے مسائل ان پر غالب آجاتے ہیں۔ برادران وطن کے معاملہ میں اس عامل کی اور بھی زیادہ اہمیت ہے۔کیونکہ "زر" ان کے نزدیک معبود کا درجہ رکھتا ہے۔ان کا ہر آدمی سب سے زیادہ جس چیز کو پانا چاہتا ہے وہ دولت ہے۔ان کی خوش قسمتی سے ملک میں دولت حاصل کرنے کے تمام بڑے ذرائع پر ان کا مکمل قبضہ ہو چکا ہے۔حتی کہ خود مسلمان ان کی دولت کی فراہمی کے عمل میں ایک معاون پرزہ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ یہ اس ملک میں فساد کے خلاف سب سے بڑا روگ ہے کیونکہ فساد کاروبار کے سارے نظام کو درہم برہم کر

دیتا ہے۔ پھر جن لوگوں کا اصل مقصد پیسہ کمانا ہو وہ اپنے ملے ہوئے مقصد کو خود اپنے ہاتھوں ویران کرنا کیوں پسند کریں گے۔

مرادآباد کی مثال لیجیے، جہاں اگست 1980 میں بھیانک فساد ہوا۔ مرادآباد ایک صنعتی شہر ہے، یہاں سے سالانہ تقریباً 60 کروڑ روپے کا سامان تیار ہو کر باہر جاتا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ سامان بنانے کا کام سب کا سب مسلمان کرتے ہیں۔ مگر کاروبار عملاً دوسرے فرقہ کے ہاتھ میں ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ خام مال کی سپلائی اور تیار شدہ سامان کی فروخت دونوں کام کا تقریباً 90 فی صد حصہ دوسرے فرقہ کے قبضہ میں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ کارخانوں میں دھویں اور گندگی کے درمیان ساری مشقت مسلمان اٹھاتے ہیں اور دوسرا فرقہ ان کی محنت کے بل پر کروڑوں روپے کما رہا ہے۔ ایک زر پرست قوم کو اس کا مطلوب جب اتنے شان دار طریقہ پر مل رہا ہو تو وہ آخر فساد کیوں چاہے گی۔ وہ بازار کو ویران کر کے اپنے ملتے ہوئے فائدہ کو بھنگ کس لیے کرے گی۔

اس کے باوجود خود اس ملک میں فساد ہوتا ہے۔ حتی کہ 1947 سے لے کر اب تک تقریباً 10 ہزار فسادات ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ بالکل سادہ ہے۔ وہ یہ کہ ہر آدمی دو آدمی ہوتا ہے۔ ایک غصہ دلانے سے پہلے، دوسرا غصہ دلانے کے بعد یہ بظاہر سیدھا سادا آدمی بھی غصہ میں آنے کے بعد بھیڑیا بن جاتا ہے۔ یہ فرق ہر آدمی میں پایا جاتا ہے۔ پھر جب کسی اشتعال انگیز واقعہ کے بعد اس شخص یا گروہ کا دوسرا انسان جاگ اٹھے جس کے اندر فریق ثانی کے لیے پہلے سے نفرت کے اسباب چھپے ہوئے تھے اور وہ اس کے مقابلہ میں طاقتور بھی ہو تو اس کے بعد وہ جو کچھ کرے گا وہ وہی ہوگا جس کا نمونہ ہم پچھلے 35 سال سے دیکھ رہے ہیں۔

زر پرستی آدمی کے اندر انفرادیت پیدا کرتی ہے۔ اس لیے ایک شخص کی طرف سے

کسی کے خلاف ابتدائی اشتعال کا واقعہ پیش آنے کے بعد بھی شاید ایسا نہ ہوتا کہ ایک فرقہ میں عمومی سطح پر اشتعال وانتقام کی فضا پیدا ہو جائے۔ مگر یہاں بقیہ کمی کو سیاسی لیڈر پوری کر دیتے ہیں۔ ہر بار جب الیکشن ہوتا ہے تو فطری طور پر کوئی جیتتا ہے اور کوئی ہارتا ہے۔ اب جو ہارنے والے لیڈر ہیں وہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی موقع ملے تو اس کو ہوا دے کر عمومی فساد کرا دیں۔ تاکہ ایک طرف جیتی ہوئی حکمراں پارٹی کو بدنام کیا جائے اور دوسری طرف ان دوٹروں کو سزا دی جائے جنھوں نے ان کو ووٹ نہیں دیا۔ اور بدقسمتی سے یہ ووٹ نہ دینے والے اکثر مسلمان ہی ہوتے ہیں۔ اگر ہر فساد نہیں تو اکثر فساد کے پیچھے یہی الیکشنی سیاست کارفرما ہوتی ہے۔ ایک ایسا ملک جہاں لوگ اپنی مرضی کے خلاف فیصلہ قبول کرنے پر راضی نہ ہوں وہاں الیکشن مسئلہ کو ختم نہیں کرتا بلکہ مسئلہ کوئی صورت میں زندہ رکھنے کا سبب بن جاتا ہے۔

فساد کیسے ہوتا ہے

کوئی فساد کس طرح شروع ہوتا ہے اور وہ کس طرح بڑھتا ہے، اس کو سمجھنے کے لیے علی گڑھ اور مراد آباد کے فساد کی مثال لیجیے۔ علی گڑھ میں ہر سال کشتی کا دنگل ہوتا ہے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں حصہ لیتے ہیں۔ اگست 1978 کے دنگل میں مسلم پہلوان کو یہ شکایت ہوئی کہ اس کے ساتھ دھاندلی کی گئی ہے۔ اس کی شکایت کا خاص نشانہ سریش بھورے تھا جس سے اس کی پہلے سے بھی رقابت چلی آرہی تھی۔ دنگل کی شکایت کے بعد مسلمان پہلوان نے طے کرلیا کہ سریش بھورے سے انتقام لینا ہے۔ وہ اور اس کے ساتھی اسی فکر میں رہے۔ یہاں تک کہ 13 کتوبر 1978 ی شام کو انصار احمد اور اس کے ساتھی سریش بھورے کو اکیلا پا گئے۔ انھوں نے اس کے اوپر چھرے سے حملہ کیا۔ سریش بھورے کو

سخت زخمی حالت میں اسپتال لے جایا گیا۔ جہاں اس نے اپنے قاتلوں کے بارے میں نام زد بیان درج کرایا۔ وہ زخم سے جانبر نہ ہوسکا اور 15 اکتوبر 1978 کو مر گیا۔

سریش بھورے کا مرنا شہر کے ہارے ہوئے فرقہ پرست لیڈروں کو سنہری موقع ملنا تھا۔ انھوں نے سریش بھورے کا جلوس نکالا اور نعرہ لگایا کہ خون کا بدلہ خون انھوں نے اپنی اشتعال انگیز تقریروں سے پورے شہر کی فضا خراب کردی۔ یہاں تک کہ وہ فساد شروع ہوا جس نے علی گڑھ کو خاکستر بنا دیا۔

اب مراد آباد کو لیجیے۔ 1980 کے آغاز میں یوپی اسمبلی کا جو الکشن ہوا اس میں کانگریس (آئی) کے امیدوار حافظ محمد صدیق بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ جن سنگھ (بھارتیہ جنتا پارٹی) کے امیدوار ڈاکٹر ہنس راج چوپڑہ کو اتنے کم ووٹ ملے کہ ان کی ضمانت ضبط ہوگئی۔ حافظ محمد صدیق کو نہ صرف مسلمانوں کے ووٹ ملے بلکہ ہندوؤں کی بھی ایک بڑی تعداد نے ان کو ووٹ دیا۔ ہارے ہوئے سیاست دانوں کو اس واقعہ کا شدید غم تھا۔ وہ اسی موقع کی تلاش میں تھے۔ ان کی خوش قسمتی سے جلد ہی ان کو یہ موقع ہاتھ آ گیا۔ 27 جولائی 1980 کو سرائے کشن لال میں مہتروں کی ایک بارات جا رہی تھی۔ یہ شام کا وقت تھا اور مغرب کی اذان ہونے والی تھی۔ بارات کے ساتھ ان کے رواج کے مطابق ناچ اور باجا بھی تھا۔ اس وقت چند مسلمانوں نے آگے بڑھ کر بارات کو روکا اور کہا کہ مسجد کے پاس شور بند کرو اور بارات کو دوسرے راستہ سے لے جاؤ، بارات والے اس کے لیے راضی نہ ہوئے۔ اس پر تکرار ہوگئی۔ یہاں تک کہ باقاعدہ لڑائی شروع ہوگئی۔ اس لڑائی میں مزید مسلمان شریک ہوگئے۔ وہ مہتروں کا پیچھا کرتے ہوئے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر مہتر بستی تک گئے، وہاں انھوں نے مہتروں کو مارا اور مکانات کو آگ لگائی۔

اب ڈاکٹر ہنس راج چوپڑہ اور ان کے جیسے دوسرے لوگوں کی باری تھی۔ انھوں نے مراد آباد اور اطراف مراد آباد میں اشتعال انگیز تقریریں کر کے فضا کو انتہائی حد تک مکدر کر دیا۔ اس کے بعد 13 اگست 1980 عید کا دن تھا۔ اس دن عید گاہ میں سور کے داخلہ سے مسلمان مشتعل ہو گئے اور انھوں نے پولس پر پتھر مارے۔ فضا تیار تھی۔ اس کے فوراً بعد مکمل پیمانہ پر فساد شروع ہو گیا۔ اور مراد آباد کی مسلم آبادی خاک وخون کی نذر ہو کر رہ گئی۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں

اب دیکھیے کہ اس معاملہ میں قرآن وحدیث کی رہنمائی کیا ہے۔ قرآن میں یہود کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ خدا ان پر غضب ناک ہوا (اور ان پر دنیوی سزائیں بھیجیں)۔ ایسا اس لیے ہوا کہ وہ اپنے درمیان برائی کرنے والے کو برائی سے نہ روکتے تھے: كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنكَرٍ فَعَلُوهُ (5:79)۔ حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے۔ ایک حدیث ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

> إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ، أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4338؛ سنن الترمذی، حدیث نمبر 2307؛ سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4005)۔ یعنی، لوگ جب ظلم کرنے والے کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ ان پر اپنی سزا کو عام کر دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ”اجتماعی فساد“ کا سبب ہمیشہ ”انفرادی فساد“ ہوتا ہے۔ اس لیے اجتماعی فساد کو روکنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ انفرادی فساد کو روکا جائے۔ اس ہدایت کے مطابق مسلم معاشرہ کو اتنا زندہ اور چوکنا رہنا چاہیے کہ اس کا کوئی آدمی اگر کوئی شرارت

کرے تو فوراً آس پاس کے لوگ جاگ اٹھیں اور ابتدا ہی میں شریر کا ہاتھ پکڑ لیں۔ معاشرہ کا کوئی فرد اگر کسی آدمی کے ساتھ برائی کرے تو بقیہ لوگ غیر جانب دار بن کر نہ رہ جائیں۔ بلکہ وہ فوراً موقع پر پہنچیں اور برائی کرنے والے آدمی اور اس کی برائی کے درمیان حائل ہو جائیں۔ اگر وہ اس ابتدائی موقع پر بے تعلق ہو کر بیٹھ جائیں گے تو اس کے بعد یہ ہوگا کہ ایک آدمی کی شرارت ایسے عمومی فتنے برپا کرے گی جس کی لپیٹ میں پوری قوم آجائے گی۔

مذکورہ اسلامی ہدایت براہ راست طور پر آج کل کے فسادات پر چسپاں ہوتی ہے مسلمان اپنی بڑھی ہوئی جذباتیت کی وجہ سے اکثر غلطی کرتے ہیں کہ ایک معمولی بات کو برداشت نہیں کر پاتے اور دوسرے سے لڑ جاتے ہیں۔ یہ دوسرا اگر خود اپنی قوم کا آدمی ہے تو اس کا نقصان اکثر ایک آدمی یا ایک خاندان تک محدود رہتا ہے۔ لیکن یہ دوسرا آدمی اگر دوسرے فرقہ سے تعلق رکھتا ہو تو ایک مسلمان کی جذباتی کارروائی فوراً پوری قوم کو مشتعل کر دیتی ہے۔ موقع پرست لیڈر اشتعال انگیز تقریریں کر کے اس کو فرقہ وارانہ مسئلہ بنا دیتے ہیں۔ اور اس کے بعد ایسا فساد برپا ہوتا ہے جو پوری کی پوری آبادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ علی گڑھ اور مراد آباد کا مذکورہ واقعہ اور اسی قسم کے دوسرے واقعات اس کا عملی ثبوت ہیں۔

چونکہ فسادات اکثر ان مقامات پر ہوتے ہیں جہاں مسلمان اقتصادی اعتبار سے نسبتاً بہتر ہیں۔ اس لیے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ یہ مسلمانوں کی اقتصادیات کو برباد کرنے کی منظم سازش کے تحت ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ مسلمان جن مقامات پر بہتر حیثیت میں ہیں وہیں وہ جذباتی حرکتیں بھی زیادہ کرتے ہیں۔ کسی آدمی کو پر جوش کارروائی کرنے کے لیے ہمیشہ سماجی پشت پناہی درکار ہوتی ہے اور یہ سماجی پشت پناہی ان مقامات کے مسلمانوں کو با آسانی مل جاتی ہے جہاں مسلمان اقتصادی اعتبار سے بہتر ہوں۔ مسلمانوں

کے آپس کے جھگڑے اور اختلافات بھی انہیں مقامات پر زیادہ ہوتے ہیں جہاں انھیں کسی قدر معاشی اعتماد حاصل ہے۔ اسی طرح مسلمان اور غیر مسلمان کا تصادم بھی اکثر انھیں مقامات پر پیش آتا ہے جہاں مسلمان عددی اور اقتصادی اعتبار سے اپنے کو محفوظ سمجھتے ہوں۔

مذکورہ اسلامی ہدایت کی روشنی میں دیکھیے تو فساد کے خلاف ہماری موجودہ تمام سرگرمیاں بالکل عبث قرار پاتی ہیں۔ کیونکہ یہ ہدایت ربانی کے خلاف ہیں۔ خدا اور رسول کا حکم ہے کہ اپنے آدمی کو ابتدائی شرارت کے وقت پکڑو۔ مگر ہمارے تمام قائدین صرف اس وقت متحرک ہوتے ہیں جب کہ فساد بڑھ کر اپنی عمومی بربادی تک پہنچ چکا ہو۔ ابتدائی چنگاری دینے والے کا ہاتھ پکڑنے کے لیے کوئی نہیں اٹھتا۔ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ستاتا ہے تو کوئی بھی موقع پر پہنچ کر ظالم مسلمان کا ہاتھ نہیں پکڑتا۔ حالانکہ اس قسم کے مظلوم مسلمان اکثر منفی جذبات کا شکار ہو کر ایسی کارروائیاں کرتے ہیں جس کی سزا پورے معاشرہ کو بھگتنی پڑتی ہے۔ اسی طرح جب ایک غیر مسلم سے شکایت پیدا ہونے پر ایک مسلمان اس کے خلاف تخریبی منصوبہ بناتا ہے۔ جب کچھ مسلمان غیر مسلموں کے سامنے یہ بے معنی مطالبہ لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہماری نماز کے وقت اپنی عبادت گاہ کی گھنٹیاں نہ بجاؤ یا مسجد کے سامنے سے اپنا جلوس نہ لے جاؤ۔ تو ان مواقع پر مسلمانوں میں سے کوئی نہیں اٹھتا جو ایسے سر پھرے مسلمانوں کو روکے اور ان کو اس قسم کے برے افعال سے باز رکھے۔ البتہ جب ایک شخص کی برائی اپنا ردعمل ظاہر کر کے عمومی تباہی تک پہنچ چکی ہوتی ہے تو ساری مسلم قیادت میدان میں آجاتی ہے اور ہر ایک چاہتا ہے کہ وہ دوسرے سے آگے بڑھ جائے۔ یہ طریقہ سراسر اسلامی ہدایت کے خلاف ہے اور جو طریقہ اسلامی ہدایت کے خلاف ہو اس کا کوئی نتیجہ خدا کی اس دنیا میں ظاہر نہیں ہوسکتا۔ خدا چاہتا ہے کہ ہم "انفرادی فساد" کے وقت

متحرک ہوں مگر ہمارے تمام لیڈر صرف "اجتماعی فساد" کے وقت متحرک ہوتے ہیں۔ یہ خدا کے بتائے ہوئے راستہ کے بجائے خود ساختہ راستہ پر چلنا ہے اور خود ساختہ راستہ پر چلنا خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے، نہ کہ خدا کی نصرت کو اپنی طرف کھینچنا۔

ہمارے درمیان بے شمار تحریکیں اور جماعتیں قائم ہیں۔ ہر ایک دعویٰ کرتی ہے کہ اس کا مقصد ہے: فسادات کا سد باب، امت کا تحفظ، نظام صالح کا قیام، انسانیت کی پیغام رسانی، وغیرہ۔ یہ تحریکیں اور جماعتیں بڑے بڑے جلسے کرتی ہیں، الفاظ کے طوفان برپا کرتی ہیں۔ ان کے میمورنڈم اور بیانات اور تجویزوں سے گدام کے گدام بھر چکے ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ لفظی مہم سے کبھی کوئی عملی واقعہ برآمد نہیں ہوتا، یہ سب کچھ جو کیا جاتا ہے فسادات کے بعد کیا جاتا ہے۔ ابتدائی چنگاری کو بجھانے کے لیے ان میں سے کوئی کبھی نہیں دوڑتا۔ حالاں کہ کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ہر جماعت اور تحریک اور تمام اصلاح پسند شخصیتیں اپنے قریبی ماحول میں اپنے بھائیوں کی مسلسل نگرانی کریں۔ جہاں کوئی ایسا واقعہ ہو کہ ایک مسلمان کسی دوسرے پر کسی قسم کی دست درازی کرے، خواہ وہ مسلمان اور مسلمان کے درمیان ہو یا مسلمان اور غیر مسلمان کے درمیان، فوراً کچھ لوگ اس آدمی تک پہنچیں۔ علاقہ کے ذمہ دار لوگوں کو جمع کریں اور اس کی شرارت کو وہیں کا وہیں ختم کر دیں۔ مسلمان اگر ابتدائی موقع پر اس حرکت اور حساسیت کا ثبوت دیں جس کا مظاہرہ وہ فساد کے بعد کرتے ہیں تو فساد کی جڑ کٹ جائے اور کبھی اس ملک میں کوئی فساد نہ ہو۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ فسادات ہمیشہ سازش کے تحت ہوتے ہیں اور یہ سازش کچھ فرقہ پرست اور فسطائی جماعتیں کرتی ہیں۔ ان جماعتوں کا یہی مشن ہے اور اسی مقصد کے تحت انھوں نے اپنے آدمیوں کو تیار کر رکھا ہے۔ بالفرض یہ بات صحیح ہو تب بھی میں کہوں گا کہ یہ دنیا

مقابلہ کی جگہ ہے۔ یہاں بہر حال ایسا ہوگا کہ ایک دوسرے کے خلاف تدبیریں کرے گا۔ اس لیے اصل کام ایسی جماعتوں کا انکشاف کر کے ان کے خلاف چیخ پکار کرنا نہیں ہے، بلکہ خاموش منصوبہ کے تحت ان کی کاٹ کے لیے اپنے کو مستعد کرتا ہے۔ تجربہ ثابت کرتا ہے کہ ہر گروہ کے خلاف اس کا حریف تدبیریں کرتا ہے اور ہر تدبیر کو دانش مندی کے ساتھ ختم کیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے لیے ہر طرف میدان خالی ہو اور ان کے خلاف کوئی سازش کرنے والا کہیں موجود نہ ہو ان کو خدا کی اس دنیا کو چھوڑ کر کوئی دوسری دنیا اپنے لیے بنانی چاہیے۔ کیونکہ خدا نے اپنی دنیا جس قانون کے تحت بنائی ہے وہاں تو یہی ہوگا۔ پیغمبروں کے لیے بھی خدا نے اس معاملہ میں استثنا نہیں رکھا۔ پھر ہمارے لیے استثنا کیسے ہو سکتا ہے۔

سابق اہل کتاب کی مثال

اب اس سلسلہ میں ایک اور آیت کا مطالعہ کیجیے۔ سورہ بقرہ میں یہود کو خطاب کر کے ارشاد ہوا ہے: ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور اپنے لوگوں کو گھر سے بے گھر نہ کرو گے۔ تم نے اس کا اقرار کیا اور تم خود اس کے گواہ ہو۔ پھر تم ہی وہ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ایک گروہ کو ان کی بستیوں سے نکالتے ہو۔ ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کر کے ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہو۔ پھر اگر وہ تمھارے پاس قیدی ہو کر آتے ہیں تو ان کا فدیہ دے کر چھڑاتے ہو۔ حالانکہ ان کا نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب الٰہی کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور اس کے دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو۔ پس تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوا ہوں اور آخرت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو (2:84-85)۔

قدیم مدینہ میں دو عرب قبیلے (اوس اور خزرج) آباد تھے۔ اس کے علاوہ کچھ یہودی قبیلے (بنونضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع) تھے جو باہر سے آ کر یہاں بس گئے تھے۔ ان یہودی قبائل نے اپنے تعصّبات اور قومی اغراض کے تحت عرب قبیلوں سے حلیفانہ تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ عرب قبائل جب باہم لڑتے تو یہودی قبیلے بھی اپنے اپنے مشرک حلیفوں کے ساتھ مل جاتے اور اس طرح دو عرب محاذوں میں شریک ہو کر ایک یہودی قبیلہ دوسرے یہودی قبیلہ سے جنگ کرتا ہجرت نبویؐ سے چند سال پہلے مدینہ میں جنگ بعاث ہوئی جو مدینہ کے مشرک قبائل کی باہمی جنگ تھی۔ اس جنگ میں یہود کے قبیلہ بنونضیر اور بنو قریظہ نے اوس کا ساتھ دیا اور بنو قینقاع نے خزرج کا۔ اس طرح اوس اور خزرج کی باہمی جنگ میں خود یہودی بھی باہم ایک دوسرے کے خلاف لڑ پڑے۔

اس قسم کی باہمی مقابلہ آرائی سراسر شریعت الٰہی کے خلاف تھی۔ مگر جب جنگ ختم ہوتی تو دونوں طرف کے یہودی لیڈر "امدادی کام" شروع کر دیتے تا کہ ملت یہود کے لیے جہاد کرنے کا ثواب بھی انھیں مل جائے۔ اس جاہلانہ معرکہ آرائی میں جب ایک یہودی قبیلے کے لوگ دوسرے قبیلے کے ہاتھ قید ہو جاتے تو مغلوب قبیلہ فدیہ دے کر اپنے دینی بھائیوں کو دشمنوں کے ہاتھ سے چھڑاتا اور اپنے اس عمل کے لیے تورات کے احکام کا حوالہ دیتا جن میں ایک یہودی پر دوسرے یہودی کی مدد کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ حالاں کہ یہ ایسا ہی تھا جیسے ایک شخص کسی مسلمان کو قتل کر دے اور اس کے بعد خدا اور رسول کا نام لے کر اس کی نماز جنازہ ادا کرے۔ قرآن میں اس طرز عمل کی بابت کہا گیا کہ یہ حکم خداوندی کے ایک جزء کو ماننا اور حکم خداوندی کے دوسرے جزء کا انکار کرتا ہے۔ کیوں کہ یہودی خدا کے اس حکم کو تو شوق سے لے رہے تھے کہ ملت یہود کے مظلوموں کی مدد کرو مگر اسی خدا کے اس حکم کو وہ اپنی زندگی سے

خارج کیے ہوئے تھے کہ ان راستوں پر مت چلو جوملت کے اندر باہمی ٹکراؤ پیدا کرتے ہیں اور نتیجہ ملت کے افراد کومظلوم بناتے ہیں۔قرآن میں اعلان کیا گیا کہ حکم الٰہی میں اس طرح کی تقسیم کسی کواللہ کی نظر میں سزا کا مستحق بناتی ہے، نہ کہ انعام کا۔

یہی صورت حال آج خود مسلمانوں میں جاری ہے اور نہ صرف کسی ایک ملک میں بلکہ تمام دنیا کی مسلم اقوام پر چسپاں ہوتی ہے۔موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں حکومت کی سطح پر حلیفانہ گروہ بندیاں اور جماعتوں کی سطح پر متحدہ محاذ کی سیاست براہ راست طور پر وہی چیز ہے جس کی یہود کے سلسلے میں مذمت کی گئی ہے۔آج ہر جگہ یہ حال ہے کہ مسلمان غیر مسلم قوموں یا غیر اسلامی طاقتوں کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہے ہیں مسلم حکومتوں میں کوئی روسی کیمپ سے مل گیا ہے اور غیر روسی کیمپ میں شامل مسلم ملک پر چڑھائی کرر ہا ہے اور کوئی امریکی کیمپ سے ملا ہوا ہے اور غیر امریکی کیمپ کے مسلم ملک کو اپنا نشانہ بنائے ہوئے ہے۔مسلم جماعتوں کا یہ حال ہے کہ کوئی جماعت سوشلسٹ عناصر سے مل کر غیر سوشلسٹ مسلم جماعتوں کے خلاف برسر پیکار ہے اور کوئی جماعت سیکولر عناصر سے مل کر غیر سیکولر کیمپ کی مسلم جماعتوں کے خلاف تخریبی کارروائیاں جاری کیے ہوئے ہے۔یہی حال ہمارے ملک میں، خاص طور پر الیکشن کے مواقع پر ہوتا ہے۔کچھ مسلمان حکمراں سیاسی پارٹی سے مل کر اپوزیشن پارٹیوں اور ان سے اتحاد کرنے والے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیتے ہیں اور کچھ مسلمان اپوزیشن پارٹیوں سے مل کر حکمراں پارٹی اور اس سے وابستہ مسلمانوں کے خلاف کھڑے ہو جاتے ہیں۔اس جاہلی جنگ کے نتیجہ میں جب مسلمانوں کی بربادی سامنے آتی ہے تو ان میں سے ہر ایک ملی جہاد کے لیے دوڑتا ہے، ہر ایک امدادی کام میں دوسرے سے آگے بڑھ جانا چاہتا ہے۔

ہمارے ملک میں ہونے والے فسادات کم از کم وقتی سبب کی حد تک، اکثر انھیں انتخابی محاذ آرائیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مسلمان ان مواقع پر غیر مسلم پارٹیوں کے ساتھ مل کر دو جتھوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک طرف "اوس" کا سیاسی محاذ ہوتا ہے اور دوسری طرف "خزرج" کا سیاسی محاذ کچھ مسلمان ایک طرف کے محاذ میں شامل ہو جاتے ہیں اور کچھ دوسری طرف کے محاذ میں۔ اور پھر دونوں ایک دوسرے کو ہرانے اور نیچا دکھانے کے لیے اپنی ساری طاقت لگا دیتے ہیں۔ جب الیکشن کا معرکہ ختم ہوتا ہے تو وہ صرف جیتنے والوں کے لیے ختم ہوتا ہے۔ ہارنے والوں کے لیے وہ دوبارہ نئی صورت میں شروع ہو جاتا ہے۔ اب ہارے ہوتے لیڈر جیتی ہوئی پارٹی کو بے اعتبار ثابت کرنے اور اپنی کھوئی ہوئی حیثیت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے میدان میں نکل آتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہارے ہوئے لیڈر جو کارروائیاں کرتے ہیں انھیں میں سے ایک فرقہ وارانہ فساد بھی ہے۔

اس لحاظ سے دیکھیے تو فرقہ وارانہ فسادات کے بعد مسلم قائدین کی طرف سے کیا جانے والا امدادی کام اور ملی جہاد براہ راست طور پر قرآن کے ان الفاظ کا مصداق ہے کہ: أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ (2:85)۔ یعنی، کیا تم کتاب الٰہی کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک حصے کا انکار کرتے ہو۔ خدا کے اس حکم کی تم کو پروا نہیں کہ تم اغیار کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی نہ کرو۔ اور جب جاہلانہ محاذ آرائی کے نتیجہ میں فساد رونما ہوتا ہے تو قرآن وحدیث کی تلاوت کرتے ہوئے اعانت مظلومین کے لیے نکل پڑتے ہو۔ یہ حکم خداوندی کی تعمیل نہیں بلکہ سستی لیڈری ہے۔ اور خدا کا انعام کسی کو خدا کے حکم کی تعمیل پر ملتا ہے، نہ کہ لیڈرانہ کارروائیوں پر۔

کرنے کا کام

آج مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ فساد یا اغیار کی سازش نہیں ہے۔ سب سے بڑا

مسئلہ یہ ہے کہ فساد اور سازش کو ناکام بنانے کے لیے واقعی طور پر جو کچھ کرنا چاہیے وہ کسی طرح ان کے ذہن کے خانہ میں نہیں بیٹھتا۔ زندگی کے مسائل کا حل خدا نے سنجیدہ غور وفکر اور حقیقت پسندانہ پروگرام میں رکھا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے آج کے مسلمان آخری حد تک دور ہیں۔ وہ ہر دوسرے طریقہ پر بے پناہ سرمایہ اور طاقت خرچ کرنے کے لیے تیار ہیں مگر حقیقت پسندانہ طریقہ کو زیر عمل لانے کے لیے نہ ان کے پاس پیسہ ہے اور نہ وقت۔ آج ان کا حال وہی ہو رہا ہے جو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

> وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلاً وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلاً ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ۔ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (7:146-147)۔ یعنی، اور اگر دیکھیں ساری نشانیاں یقین نہ کریں ان کو۔ اور اگر دیکھیں راہ سنوار کی وہ نہ ٹھہرائیں اس کو راہ اور اگر دیکھیں راہ الٹی اس کو ٹھہرائیں راہ۔ یہ اس واسطے کہ انھوں نے جھوٹ جانیں ہماری آیتیں اور ہو رہے ہے ان سے بے خبر۔ اور جنھوں نے جھوٹ جانیں ہماری آیتیں اور آخرت کی ملاقات ضائع ہوئیں ان کی محنتیں، وہی بدلا پائیں گے جو کچھ عمل کرتے تھے (ترجمہ شاہ عبدالقادر)۔

جب آدمی جھنجھلاہٹ اور جذباتیت کا شکار ہو جائے تو صرف سطحی باتیں اس کی سمجھ میں آتی ہیں، کوئی گہری بات اس کو اپیل نہیں کرتی۔ یہی آج مسلمانوں کا حال ہے۔ حقیقت پسندانہ طریق کار کے حق میں کتنے ہی کھلے کھلے دلائل دے دیے جائیں۔ مگر وہ ان کے ذہن کا جزء نہیں بنتے۔ وہ ایسے راستوں کی طرف تو تیزی سے دوڑ پڑتے ہیں جن کا آخری نتیجہ مزید تباہی کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ مگر ایسے راستے جو کامیابی کی طرف لے جانے والے ہوں،

ان کو فلسفیانہ اور دور از کار کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایک بے خبر انسان کی طرح وہ کبھی اس دیوار سے سر ٹکراتے ہیں اور کبھی اُس دیوار سے۔ ان کی کوششیں اپنے نتیجہ کے اعتبار سے مسلسل بے قیمت ہوتی جا رہی ہیں۔ مگر ان کی آنکھ کسی طرح نہیں کھلتی۔ نئے الفاظ بول کر وہ دوبارہ انھیں سطحی طریقوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں جو بار بار تجربہ کے بعد اپنی ناکامی ثابت کر چکے ہیں۔

اسی مزاج کا یہ نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج کا مسلمان یا تو فراریت کی باتوں کو قبول کرتا ہے یا تصادم کی باتوں کو۔ سارے مسلمان انھیں دو میں سے کسی طریقہ کی طرف دوڑ رہے ہیں تعمیر و استحکام کا طریقہ کسی طرح ان کے فکری سانچہ میں نہیں بیٹھتا لیکن اگر تم مزید اپنی قوتیں برباد کرنا نہیں چاہتے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اپنے اس انداز کو بدلیں اور حقائق کی روشنی میں کوئی نتیجہ خیز پروگرام اپنے لیے بنائیں۔

ا۔ فسادات کو ختم کرنے کے لیے سب سے پہلا ضروری کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو باشعور اور تعلیم یافتہ بنایا جائے تاکہ ان کی جذباتیت ختم ہو، وہ جانیں کہ کس موقع پر انھیں کسی قسم کا ردعمل ظاہر کرنا چاہیے۔ فسادات میں مسلمان کرڑوں روپے چندے دیتے ہیں۔ اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ فساد کا آغاز ہمیشہ ان لوگوں کی کسی حرکت سے ہوتا ہے جو جاہل یا بیروزگا ہیں تو اس قسم کی رقم کا بہترن مصرف یہ ہوگا کہ قوم کے جاہل لوگوں کو تعلیم یافتہ بنایا جائے اور جو لوگ بے روزگار ہیں ان کو کسی نہ کسی معاشی کام میں مصروف کر دیا جائے۔ قوم کو مشغول اور باشعور بنا کر زیادہ بہتر طور پر فسادات کا سدباب کیا جا سکتا ہے۔ یہ گویا فساد کو اس زمین سے محروم کرنا ہے جس پر اس کا خاردار درخت اگتا ہے۔

2۔ ہمارے لکھنے اور بولنے والے آج سب سے زیادہ جس کام میں مصروف ہیں وہ یہ کہ قوم کو جذباتیت کی شراب پلائی جائے اور نتیجۃً عوام کے درمیان سستی مقبولیت حاصل کی

جائے۔ یہ سلسلہ قطعاً بند ہو جانا چاہیے۔ اس کے بجائے ہمارے قلم اور زبان کی طاقت کو تمام تر اس مقصد پر لگ جانا چاہیے کہ قوم کے افراد میں صبر اور حقیقت پسندی اور باہمی اتحاد کا جذبہ پیدا ہو کسی قوم کی طاقت کا راز یہ ہے کہ اس کے افراد سنجیدہ انداز میں سوچنا جانتے ہوں، نہ یہ کہ ان کو پرشور الفاظ کا مظاہر کرنے میں کمال حاصل ہو۔

3۔ ہر جگہ کے مسلمان اس کو اپنی ذمہ داری سمجھیں کہ جب بھی کوئی شخص شرارت کرے، خواہ وہ مسلمان اور مسلمان کے درمیان ہو یا مسلمان اور غیر مسلمان کے درمیان، فوراً موقع پر پہنچ کر شریر کا ہاتھ پکڑا جائے۔ فساد کے اجتماعی سطح پر پھیلنے سے پہلے اس وقت اس کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے جب کہ وہ ابھی انفرادی سطح پر ہوتا ہے اور با آسانی اس کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فسادات ہونے کے بعد شور وغل کرنا جتنا بے معنی ہے اتنا ہی با معنی یہ ہے کہ فساد سے پہلے انفرادی جھگڑوں اور شکایتوں کو دور کرنے میں طاقت صرف کی جائے۔

4۔ قوم کے عمل کے جذبہ کو دعوت وتبلیغ کے کام کی طرف موڑنے کی کوشش کی جائے۔ ہر مسلمان اپنے مزاج کے اعتبار سے مجاہدانہ مزاج کا حامل ہوتا ہے۔ یہ ایک مطلوب چیز ہے۔ مگر بدقسمتی سے اس مجاہدانہ مزاج کا استعمال سیاسی شور وغل اور باہمی اختلافات میں ہو رہا ہے۔ اس مجاہدانہ مزاج کے اظہار کا اصل میدان اللہ کے دین کو پھیلانا ہے اور اس کے لیے پرامن جدو جہد کرنا ہے۔ اگر مسلمانوں کے مجاہدانہ مزاج کو دعوت وتبلیغ کی طرف موڑ دیا جائے تو بیشتر لڑائیاں اور اختلافات اسی طرح ختم ہو جائیں گے جیسے ایک بے کار آدمی ادھر اُدھر جھگڑتا پھرتا ہو اور اس کے بعد اچانک اس کو ایک اچھا روزگار ہاتھ آجائے اور وہ ساری خرافات کو ختم کر کے اپنے روزگار میں لگ جائے (26 ستمبر 1980)۔

سنجیدہ ہونا ضروری ہے

ایک صاحب اپنے بچوں کے لیے بہت سخت تھے۔ ہمیشہ ڈانٹ کر بات کرتے تھے کبھی کسی نے ان کو اپنے بچوں کے ساتھ نرمی سے بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔لڑکے ان سے اس قدر ڈرتے تھے کہ ان کے سامنے کوئی بولنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوتے تو تمام بچے خاموش ہو کر ادھر ادھر دبک جاتے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ گھر میں داخل ہوئے۔ سیڑھی کو طے کر کے جب وہ اپنے مکان کی چھت پر پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کا ایک بچہ بجلی کے پول سے لپٹا ہوا ہے۔ بجلی کے تار میں ایک پتنگ پھنس گئی تھی۔ پتنگ کو حاصل کرنے کے شوق میں لڑکا بارجہ کا سہارا لے کر پل پر چڑھ گیا۔ ابھی اس کا کام پورا نہیں ہوا تھا کہ اس کے باپ آ گئے۔ نگاہیں ملتے ہی بچہ سہم گیا مگر بالکل خلاف معمول باپ نے کوئی سخت بات نہیں کہی بلکہ نہایت نرم لہجہ میں بولے: "بیٹے تم وہاں کہاں۔" اس کے بعد انھوں نے محبت کے انداز میں لڑکے کو ترغیب دی کہ وہ آہستہ آہستہ اترے اور بارجہ کا سہارا لے کر دوبارہ گھر میں آجائے۔ بعد کو ایک شخص سے انھوں نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا: میں نے مسکرا کر اور نرم لہجہ میں اس لیے بات کی کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس نازک موقع پر ڈانٹتا ہوں تو وہ گھبرا اٹھے گا اور پول سے چھوٹ کر نیچے سڑک پر جا گرے گا۔ اس نزاکت نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنی عادت کے خلاف بچہ سے میٹھے انداز میں بات کروں۔

یہی مثال ملی مسئلہ پر بھی چسپاں ہوتی ہے۔ اگر آدمی کو صورت حال کی نزاکت کا احساس ہو اور وہ اس کے لیے دردمند ہو تو اس کی دردمندی خود ہی مجبور کرے گی کہ وہ اشتعال

کے بجائے برداشت کا طریقہ اختیار کرے، وہ تصادم کے بجائے بچ کر نکلنے کی تدبیر کرے۔ کون صحیح ہے اور کون غلط کی بحث میں پڑنے کے بجائے وہ مسئلہ کے حل کے پہلو پر دھیان دے۔ اور اگر اس کو نزاکت کا احساس نہ ہو تو وہ اپنی عام عادت کے مطابق بچہ کو پول پر دیکھ کر بگڑ اٹھے گا خواہ اس کا یہی انجام کیوں نہ ہو کہ لڑکا 30 فٹ کی بلندی سے سڑک پر جا گرے اور اس کی ہڈی پسلی چور ہو جائے۔

ساری تاریخ کا یہ تجربہ ہے کہ جب آدمی کسی معاملہ میں سنجیدہ ہو تو اس کا انداز اور ہوتا ہے اور جب وہ سنجیدہ نہ ہو تو اس کا انداز بالکل دوسرا ہوتا ہے۔ کوئی دلیل اس شخص کے لیے دلیل ہے جو سنجیدہ ہو۔ سنجیدہ آدمی ہی کسی بات کے وزن کو محسوس کرتا ہے۔ سنجیدہ آدمی ہی کسی مسئلہ کی نزاکتوں کو اہمیت دیتا ہے۔ اس کے برعکس، جو شخص سنجیدہ نہ ہو وہ ہر دلیل کی کاٹ کے لیے کچھ نہ کچھ الفاظ بول دے گا۔ ہر قیمتی بات کو سن کر ایک غیر متعلق بحث چھیڑ دے گا۔ اور اگر اس کی بات کا جواب دے کر بات کو از سر نو واضح کیا جائے تو وہ وضاحت کے خلاف دوبارہ کوئی بحث نکال لے گا۔ اور اصل بات بدستور اس کی گرفت سے دور رہ جائے گی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی دلیل اسی کے لیے دلیل ہے جو اس کو سمجھنا چاہے۔ جو سمجھنا نہ چاہے اس کے لیے کوئی دلیل دلیل نہیں۔

یہ اسلام نہیں

ایک مقام کے کچھ مسلمانوں سے میری ملاقات ہوئی۔ وہاں کچھ دن پہلے ایک چھوٹا سا فرقہ وارانہ فساد ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے ذوق کے مطابق "صبر" کا طریقہ اختیار کرنے کی بات کی۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے یہاں تو مسلمانوں کی طرف سے کوئی اشتعال کا واقعہ نہیں ہوا تھا۔ دوسری قوم کے لوگ خواہ مخواہ ہم سے لڑ گئے۔ میں نے کہا کہ لڑائی کیسے پیش آئی، انھوں نے قصہ بتاتے ہوئے کہا کہ وہاں ہماری ایک مسجد ہے۔ مسجد سے قریب ہی غیر مسلم

بھائیوں کی عبادت گاہ ہے۔ ہم نے مسجد میں اذان کے لیے لاؤڈ اسپیکر لگایا تو انھوں نے بھی اپنے عبادتی مواقع پر گھنٹی بجانی شروع کردی جس کی آواز مسجد تک آتی تھی۔ ہم نے سنجیدگی کے ساتھ ان سے کہا کہ آپ لوگ ہماری نماز کے اوقات میں گھنٹی نہ بجائیں۔ وہ نہیں مانے۔ جب کئی باران سے کہا گیا تو وہ بگڑ گئے۔ اس کے بعد جھگڑا ہو گیا۔

میں نے کہا کہ یہ کون سا شرعی مسئلہ ہے کہ نماز کے اوقات میں کوئی غیر قوم کا آدمی اپنی عبادت گاہ میں گھنٹی نہ بجائے۔ یہ نہ کہیں قرآن میں لکھا ہوا ہے اور نہ حدیث میں ہے اور نہ ہمارے فقہا میں سے کسی کا یہ مسلک ہے۔ حتی کہ اسلامی حکومت کے پورے زمانہ میں بھی کسی مسلم حکمراں کی طرف سے یہ ہدایت جاری نہیں کی گئی کہ نماز کے اوقات میں دوسری قوموں کے عبادت خانہ میں ناقوس اور گھنٹیاں نہ بجائی جائیں۔ ایسی حالت میں آپ کیوں اس پر برہم ہوتے ہیں۔ کوئی اگر گھنٹی بجاتا ہے تو بجانے دیجیے۔ اس سے نہ نماز میں کوئی خلل واقع ہوتا اور نہ شریعت نے ہمیں ایسے کسی حکم کا مکلف کیا ہے۔ تاہم مذکورہ بزرگ نے میری بات نہیں مانی، ان کے پاس اگرچہ میری دلیل کا کوئی جواب نہیں تھا مگر وہ اپنی بات کو پُر جوش انداز میں بدستور دہراتے رہے۔

اس ملک کے اکثر فسادات اسی قسم کی باتوں سے شروع ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ جب شریعت نے ہمیں ایسے کسی حکم کا پابند نہیں کیا ہے تو ہم کیوں چاہتے ہیں کہ ہماری مسجد کے سامنے کوئی باجے کا جلوس نہ گزرے۔ کوئی اس کے پاس گھنٹی نہ بجائے۔ اس کی وجہ تمام تر قومی ہے، نہ کہ دینی مسلمانوں نے پچھلے سو سال کی سیاست کے نتیجہ میں انھیں چیزوں کو اپنی قومی عظمت کا نشان بنا لیا ہے۔ وہ اس کو اپنی ساکھ کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ مسجد کے پاس ایسا کوئی واقعہ ہو تو وہ اس میں اپنی بے عزتی محسوس کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اس کو روکنے میں کامیاب ہو جائیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی قوم کی عزت کو اونچا کیا۔

یہ سراسر جاہلانہ طریقہ ہے۔ یہ طریقہ تم کو خدا اور رسول نے نہیں بتایا۔ بلا شبہ یہ ہم کو نفس نے سکھایا ہے۔ نفس چاہتا ہے کہ ہم اپنے مدعو کے خلاف ایسے ہنگامے کرتے رہیں جس سے ہمارے اور دوسروں کے درمیان قومی نفرت تو خوب بڑھے، مگر داعی اور مدعو کے رشتے بھی قائم نہ ہوں۔ کیونکہ ایسے ماحول میں جہاں داعی اور مدعو کے درمیان شبہ اور نفرت کی فضا قائم ہو وہاں کبھی اسلام کی دعوت کا کام نہیں ہوسکتا۔ اس قسم کی قومی معرکہ آرائی پر ہم کو اللہ کے یہاں انعام تو کیا ملے گا، البتہ شدید اندیشہ ہے کہ ہم اپنی قومی نادانیوں کو اسلام کا نام دینے کی وجہ سے کہیں خدا کی پکڑ میں نہ جائیں۔

فسادات کا مسئلہ

ایک نادان شخص اگر کسی کی طرف کنکر پھینکے تو اس کا فوری تاثر یہ ہوتا ہے کہ اس کا بھرپور جواب دیا جائے۔ حالاں کہ نادان کے کنکر کا زیادہ بہتر جواب اُس کو برداشت کرلینا ہے۔ کنکر کو برداشت کر کے آپ معاملے کو پتھر تک پہنچنے سے روک دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی نادان کے شر کو برداشت نہ کرنا ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ بالآخر اس سے زیادہ بڑے شر کو برداشت کرنے پر اپنے آپ کو راضی کیا جائے۔

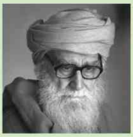

مولانا وحیدالدین خاں (1925-2021ء) ایک اسلامی اسکالر اور امن کے سفیر تھے۔ انھوں نے اسلام کے حکیمانہ پہلو، مذہبی عدم تشدد، سماجی رواداری، ماڈرن ایج کے ساتھ اسلام کی مطابقت، اور دوسرے عصری مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ مولانا نے عصری اسلوب میں 200 سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ ان کا انگریزی ترجمہ قرآن اپنی آسان اور قابلِ فہم زبان کی وجہ سے ساری دنیا میں مقبول ہے۔ انھوں نے 2001 میں سی پی ایس انٹرنیشنل کے نام سے نئی دہلی میں ایک ادارہ قائم کیا، تا کہ اس کے ذریعہ امن کلچر اور اسلام کی روحانی تعلیم کو ساری دنیا میں فروغ دیا جائے۔

www.goodwordbooks.com

PDF

ISBN 978-93-95479-67-7

9 789395 47967 7

Goodword Books
CPS International